ماہنامہ
اپریل 2024ء
طلوعِ اسلام
لاہور
اشاعت کا الحیاسی واں سال

قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر

لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ (الحدیث)

حضرت محمد ﷺ کے بعد نبوت کا ہر دعویٰ باطل ہے

علامہ اقبالؒ کے ایماء اور قائداعظمؒ کی خواہش پر 1938ء سے شائع ہونے والا ماہنامہ

عید مبارک

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مذہب اور دینِ اسلام کا تقابلی جائزہ

یورپ نے غالباً مانی کے عقیدے سے روح کو مادہ کی ثنویت کا خیال اخذ کیا اور بلاتنقید اسے قبول کر لیا۔ اسی نظریہ کی بنیاد پر انہوں نے مذہب (Religion) اور سیاست (State) کی ثنویت کا تصور پیش کیا۔ قرآنِ کریم میں مذہب کا لفظ ہی کہیں نہیں آیا۔ اس لئے اسلام کو مذہب نہیں بلکہ قرآن کے دیئے ہوئے دین کے نام سے پکارنا چاہئے۔ اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ (3:19)۔

مذہب	دینِ اسلام
1- مذہب، خدا اور بندے کے درمیان پرائیویٹ تعلق اور داخلی تجربہ کا نام ہے۔	دین اجتماعی نظام زندگی اور خارجی حقیقت ہے۔
2- مذہب میں ہر فرد اپنے طور پر مطمئن ہو جاتا ہے کہ اس کا خدا کے ساتھ رشتہ قائم ہو گیا ہے۔	دین میں معاشرہ کا انداز اور آئین بتا سکتے ہیں کہ وہ قوانین خداوندی کے مطابق متشکل ہوا ہے یا نہیں۔
3- مذہب میں ہر فرد کا منتہیٰ اپنی اپنی نجات ہوتا ہے۔	دین کا مقصود عالمگیر انسانیت کی فلاح و بہبود ہوتا ہے۔
4- مذہب میں کوئی خارجی معیار ایسا نہیں ہوتا جس سے پرکھا جا سکے کہ انسان کے اعمال صحیح نتائج پیدا کر رہے ہیں یا نہیں۔	دین میں اجتماعی زندگی کے نتائج ساتھ کے ساتھ بتاتے چلے جاتے ہیں کہ ملت صحیح راستے پر چل رہی ہے یا نہیں۔
5- مذہب انسان کو مختلف فرقوں میں تقسیم کر دیتا ہے اور اس میں ہر فرقہ اپنے آپ کو حق پر سمجھ کر خوش ہوتا ہے۔	دین میں تفرقہ کو شرک کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ یہ پوری نوع انسانی سے مخاطب اور اس کا رب، رب العالمین اور رسول رحمۃ للعالمین کا مقام رکھتے ہیں۔
6- مذہب عوام کے جذبات کے پیچھے چلتا ہے اور ان کی تسکین کا سامان فراہم کئے چلا جاتا ہے۔ اس لئے اس کی تعلیم یہ ہے۔ زمانہ با تو نہ سازد تو با زمانہ بساز	دین، انہیں حقائق کے پیچھے چلاتا ہے اور ان کے سطحی جذبات کی تسکین کی بجائے ان پر قابو پانے کی تعلیم یوں دیتا ہے۔ زمانہ با تو نسازد تو با زمانہ ستیز
7- مذہب انسان کے دل میں ہر وقت خوف پیدا کرتا رہتا ہے اور اپنی ہر بات ڈر سے منواتا ہے۔	دین خوف کو شرک قرار دیتا ہے اور انسان کے دل کو جرأت اور بے باکی کا مسکن بناتا ہے۔

بقیہ صفحہ نمبر 58 پر

ماہنامہ
طلوعِ اسلام
لاہور
اپریل 2024ء

جلد 77 | شمارہ نمبر 4

اس شمارے میں

عنوان	مصنف	صفحہ نمبر
لمعات: قرآن کا تصوّرِ سیاست اور ہم	ادارہ	4
درسِ قرآن (سورۃ یونس آیات 46 تا 58)	پرویز علیہ الرحمۃ	6
بیادِ علامہ پرویزؒ علیہ الرحمۃ	خورشید انور، سوات	27
طاہرہ کے نام خطوط (پر ایک بیٹی کا مختصر تبصرہ)	نفیسہ فریاد چاہل	38
نمازِ تراویح احسن بدعت	انوار الحق، اسلام آباد	41
حقائق و عبر	ادارہ	45
محشرستانِ فلسطین (گذشتہ سے پیوستہ)	ادارہ	46

چیئرمین: خورشید انور

مجلسِ ادارت
ڈاکٹر انعام الحق، ڈاکٹر اعجاز رسول
اقبال ادریس ایڈووکیٹ

مدیر انتظامی: محمد سلیم اختر

قانونی مشیر: ملک محمد سلیم ایڈووکیٹ

ادارہ کا مضمون نگار کی تحریر سے کُلّی اتفاق ضروری نہیں۔

زرِ تعاون: 50 روپے فی پرچہ
پاکستان: 600 روپے سالانہ
رجسٹرڈ ڈاک: 1000 روپے سالانہ

ENGLISH SECTION

Surah Al-Najm (النجم) – Durus-al-Qur'an: Chapter 3 By G. A. Parwez (Translated by: Mansoor Alam)	53

ادارہ طلوعِ اسلام B-25 گلبرگ 2، لاہور 54660، (پاکستان)
Phone: 042-35714546
Cell: +92 310-4800818
idarati@gmail.com www.facebook.com/Talueislam

Bank Account Idara Tolu-e-Islam
National Bank of Pakistan, Main Market Branch Gulbarg Lahore

For Domestic Transactions
Bank A/C No: 0465004073177672

For International Transactions
IBAN:PK36NBPA0465004073177672
Swift Code: NBPAPKKAA02L

ادارہ طلوعِ اسلام (رجسٹرڈ) کی مطبوعات سے حاصل شدہ جملہ آمدن قرآنی فکر عام کرنے پر صَرف کی جاتی ہے

ناشر: عرفان راٹھور اشتیاق اے مشتاق پرنٹرز سے چھپوا کر B-25، گلبرگ II لاہور سے شائع کیا

طلوعِ اسلام

غلامی میں نہ کام آتی ہیں شمشیریں نہ تدبیریں
جو ہو ذوقِ یقیں پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں
کوئی اندازہ کرسکتا ہے اُس کے زورِ بازو کا!
نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں
ولایت، پادشاہی، علم اشیا کی جہاں گیری
یہ سب کیا ہیں، فقط اک نکتۂ ایماں کی تفسیریں
براہیمی نظر پیدا مگر مشکل سے ہوتی ہے
ہوس چھپ چھپ کے سینوں میں بنالیتی ہے تصویریں
تمیزِ بندہ و آقا فسادِ آدمیّت ہے
حذر اے چیرہ دستاں! سخت ہیں فطرت کی تعزیریں
حقیقت ایک ہے ہر شے کی، خاکی ہو کہ نوری ہو
لہو خورشید کا ٹپکے اگر ذرّے کا دل چیریں
یقیں محکم، عمل پیہم، محبت فاتحِ عالم
جہادِ زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں

چہ باید مرد را طبع بلندے، مشرب نابے
دلِ گرمے، نگاہِ پاک بینے، جانِ بیتابے

(بانگِ درا۔ علامہ اقبالؒ)

(جاری ہے)

ادارہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لمعات

قرآن کا تصورِ سیاست اور ہم

عصرِ حاضر کی مغربی سیاست کا امام، اٹلی کا مشہور مدبر میکیاوَلی ہے۔۔۔اور چونکہ دنیا کی دیگر اقوام پر بھی مغربی افکار و تصورات کا رنگ غالب آ چکا ہے، اس لئے، یوں سمجھئے کہ اس وقت قریب قریب ساری دنیا میں میکیاوَلی سیاست کا دور دورہ ہے۔اس سیاست کی عمارت اس بنیاد پر استوار ہوتی ہے کہ انسان کو کسی قاعدے اور قانون، اصول اور آئین کا پابند نہیں ہونا چاہئے، بلکہ اپنے مفاد کی خاطر جو حربہ موزوں نظر آئے اسے اختیار کر لینا چاہئے۔

> بادشاہ کے لئے صفت روباہی نہایت ضروری ہے کہ تاکہ وہ دجل وفریب کے جال بچھا سکے.....عقلمند بادشاہ وہ ہے کہ جب وہ دیکھے کہ کوئی عہد یا معاہدہ اس کے اپنے مفاد کے خلاف جاتا ہے یا جن وجوہات کے پیش نظر وہ معاہدہ کیا تھا، وہ باقی نہیں رہیں تو اسے بلا تامل توڑ ڈالے، لیکن یہ بھی ضروری ہے کہ اس قسم کی عہد شکنی کے لئے نہایت نگاہ فریب دلائل بہم پہنچائے جائیں۔.....صحیح حکمت عملی یہ نہیں کہ پہلے سے متعین کر لیا جائے کہ مجھے کیا کرنا ہے حکمت عملی یہ ہے کہ حسب موقع جو صورت اپنے فائدے کی نظر آئے، اختیار کر لی جائے [1]۔

اس سیاست کا نتیجہ یہ ہے کہ اس قدر مادی ترقی کے باوجود۔۔۔جس کی نظیر اس سے پہلے کہیں نہیں ملتی۔۔۔ساری دنیا جہنم بن رہی ہے، جس میں نہ ایک فرد کو دوسرے فرد پر کوئی بھروسہ ہے۔نہ ایک قوم کو دوسری قوم پر کسی قسم کا اعتماد۔افراد ہوں یا اقوام، سب اپنی اپنی جگہ لرزاں وترساں رہتے ہیں کہ نہ معلوم فریق مقابل۔۔۔پختہ وعدوں اور محکم معاہدوں کے باوجود، جن کی استواری کے لئے وہ اس قدر یقین دلا رہا اور قسمیں اٹھا رہا ہے۔کس وقت کیا کر دے؟ دنیا میں بے اعتمادی، سب سے زیادہ عدم اطمینان کا موجب ہوتی ہے اور جس عالمگیر بے اعتمادی میں دنیا اس وقت گرفتار ہے اس کی مثال تاریخ میں شاید ہی مل سکے اور یہ سب نتیجہ ہے اس میکیاوَلی سیاست کا جس کا سکہ اس وقت ساری دنیا میں رواں ہے۔

اس کے مقابلہ میں، سیاست کا ایک تصور قرآن پیش کرتا ہے جس میں ساری دنیا کو علی الاعلان بتا دیا جاتا ہے کہ یہ ہیں ہماری زندگی کے اصول۔جن میں نہ کبھی تغیر وتبدل ہو سکتا ہے اور نہ ہی ان سے ہم کسی حالت میں انحراف کر سکتے ہیں۔ افراد ہوں یا اقوام، ہم جس سے کوئی وعدہ کریں گے اس سے کبھی نہیں پھریں گے اور جس سے کوئی معاہدہ ہوگا اس میں کبھی دغا

---

[1] تفصیل کے لئے دیکھئے۔''انسان نے کیا سوچا؟'' (ص:233-232)

نہیں کریں گے۔ خواہ اس میں ہمارا کتنا ہی نقصان کیوں نہ ہو۔ آپ غور فرمائیے کہ اس سیاست کی علمبردار قوم پر دنیا کو کس قدر بھروسہ اور اعتماد ہوگا اور اس سے افراد اور اقوام کس قدر اطمینان کی زندگی بسر کریں گی۔ اس اندازِ سیاست کی حامل قوم کو ''مومن'' کہا جاتا ہے جس کے معنی ہیں۔۔۔ وہ جس پر پورا پورا بھروسہ کیا جا سکے اور جو امن کا ضامن ہو' یہ کلی بھروسہ اور امن عالم کی ضمانت قرآنی سیاست کا فطری نتیجہ ہے۔

یہ تھی وہ سیاست جن پر عمل پیرا ہونے کے لئے پاکستان کا خطۂ زمین حاصل کیا گیا تھا لیکن وائے بدقسمتی کہ ہمارے ارباب سیاست نے اس مقصد عظیم کو فراموش کر دیا اور جس ڈگر پر باقی دنیا چل رہی تھی انہوں نے بھی اسی پر چلنا شروع کر دیا۔ (یہ ایک جگر خراش حقیقت ہے لیکن ہم اس وقت اس کی تفصیل میں نہیں جانا چاہتے کیونکہ زیر نظر موضوع اس سے الگ ہے)

عین اس وقت جب کہ ہمارے ''دنیادار'' اربابِ سیاست اپنی اپنی مہرہ بازیوں میں مصروف تھے' یہاں ایک آواز بلند ہوئی کہ ہم اس لادینی ماحول میں صحیح دینی سیاست کے جھنڈے گاڑنے کا عزم لے کر اٹھے ہیں آؤ اور ہمارا ساتھ دو۔

میکیاوَلی سیاست کے ستائے ہوئے مسلمانوں نے اس آواز کو نشید رحمت تصور کیا اور اس دعوت دینے والوں کے ساتھ ہو لئے۔ کم وبیش نصف صدی سے اقامت دین کی یہ تحریک ہمارے یہاں کارفرما ہے۔ اس تمام دوران میں اس نے جو کچھ کیا ہے' جب ایک غیر جانبدار مبصر اس پر نگاہ ڈالتا ہے تو سر پکڑ کر بیٹھ جاتا ہے اور بے ساختہ پکار اٹھتا ہے کہ

خداوندا! یہ تیرے سادہ دل بندے کدھر جائیں
کہ سلطانی بھی عیاری ہے' درویشی بھی عیاری

اس ''مقدس سیاست'' کے یہ خطرات تو کچھ دیر بعد میں جا کر سامنے آئیں گے۔ اس کا ایک اثر ابھی سے اپنے نتائج مرتب کر رہا ہے۔ بدقسمتی سے ہمارے غلط معاشرہ میں قوم کی اخلاقی حالت جس قدر پست ہو چکی ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ بایں ہمہ' وہ ابھی تک جرم کو جرم اور عیب کو عیب سمجھتے تھے۔ اب جو ان کے سامنے یہ ''نئی شریعت'' آئی جس کی رو سے' اپنے مقاصد کے حصول کے لئے اصول شکنی۔ جھوٹ۔ فریب۔ رشوت۔ سب جائز' بلکہ بعض اوقات واجب' قرار پا گئے تو لوگوں کے دلوں سے احساسِ ندامت بھی مٹ گیا اور جو کچھ وہ پہلے جھینپے جھینپے سے کرتے تھے اب دھڑلے سے ہونے لگا۔ اس طرح قوم کے دل سے اسلامی اقدار کا احترام بھی ختم ہو گیا اور نوجوانوں کے ذہن میں ''اسلامی حکومت'' کا ایک ایسا تصور پیدا ہو گیا جو دنیا کی لادینی حکومتوں سے کسی صورت سے بھی مختلف نہیں۔ اب وہ بے باکانہ پوچھتے ہیں کہ کیا یہی ہیں ''ریاستِ اسلامی'' کی وہ خصوصیات جن کے تحفظ کے لئے ہم ہندوستان سے الگ ہوئے تھے؟

اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس سے خود نبی اکرم ﷺ کی سیرتِ طیبہ کے متعلق ان نوجوانوں کے دل میں جو نقشہ مرتب ہوتا ہے وہ بات کو کہاں سے کہاں پہنچا دیتا ہے!

سوچئے کہ یہ نقصانات کس قدر تباہ کن ہیں؟

پرویز علیہ الرحمۃ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سورۃ یونس (آیات 46 تا 58)

درسِ قرآن

وَاِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ اللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ ﴿٤٦﴾ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلٌ ۚ فَاِذَا جَآءَ رَسُوْلُهُمْ قُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿٤٧﴾ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٤٨﴾ قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ۭ لِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ۭ اِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ فَلَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿٤٩﴾ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُهٗ بَيَاتًا اَوْ نَهَارًا مَّاذَا يَسْتَعْجِلُ مِنْهُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿٥٠﴾ اَثُمَّ اِذَا مَا وَقَعَ اٰمَنْتُمْ بِهٖ ۭ آٰلْــٰٔنَ وَقَدْ كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿٥١﴾ ثُمَّ قِيْلَ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ ۚ هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ﴿٥٢﴾ وَيَسْتَنْۢبِـُٔوْنَكَ اَحَقٌّ هُوَ ۭ قُلْ اِيْ وَرَبِّيْٓ اِنَّهٗ لَحَقٌّ ۭ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿٥٣﴾ وَلَوْ اَنَّ لِكُلِّ نَفْسٍ ظَلَمَتْ مَا فِي الْاَرْضِ لَافْتَدَتْ بِهٖ ۭ وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ ۚ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿٥٤﴾ اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ اَلَآ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٥٥﴾ هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿٥٦﴾ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ ۙ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٥٧﴾ قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ۭ هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ﴿٥٨﴾

عزیزانِ من! آج ستمبر 1973ء کی 30 تاریخ ہے اور درسِ قرآنِ کریم کا آغاز سورۃ یونس کی آیت 46 سے ہو رہا ہے۔ (10:46)

بسلسلہ تجدید یادداشت:

آپ کو یاد ہوگا کہ سابقہ درس میں اور اس سے بھی پیوستہ میں بات یہ چلی آ رہی تھی کہ قرآنِ کریم کے سمجھنے کا طریقہ کیا ہے۔ قرآن کے الفاظ میں یہ بات تھی کہ یہ لوگ قرآن کی تکذیب کرتے ہیں، جلدی سے یہ کہہ دیتے ہیں کہ نہیں صاحب یہ غلط ہے، یہ جھوٹ ہے۔ تو اس کے لیے بتایا تھا کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک تو یہ کہ یہ اس کے حقائق اور معارف علمی سطح پر سمجھنے کی چیز ہے۔ تو یہ انہیں علم و بصیرت کی رو سے نہیں سمجھتے، یونہی دھاندلی سے نہ کرتے چلے جاتے ہیں یا اپنے سابقہ متواتر عقائد اور

نظریات جو چلے آتے ہیں جن کی بنیاد علم وبصیرت نہیں ہے۔ چونکہ یہ ان کے خلاف ہیں اس واسطے ان سے انکار کرتے ہیں۔ بہرحال یہ چیزیں تفصیل سے ہوگئی تھیں۔ ایک بات ان میں یہ تھی کہ دوسرا طریقہ یہ ہے ان سے کہو کہ میں جو نظریات پیش کر رہا ہوں ان کو عمل میں لانے کے لیے میرے پاس عملی پروگرام ہے میں اس پہ عمل پیرا ہو رہا ہوں۔ تم مجھے اس کی اجازت دو کہ میں اپنے طور پر اس پر عمل کروں تم اپنے طور پر اپنے نظریات پر عمل کرو نتائج خود بتا دیں گے کہ کس کا دعویٰ صحیح ہے کون غلط کہتا ہے۔ یہ جسے Pragmatic Test کہتے ہیں کہ نتائج کے ذریعے سے کسی پروگرام کے عملی ثمرات کے ذریعے سے اس نتیجے پہ پہنچنا کہ وہ ٹھیک ہے یا غلط ہے۔ اس پہ بڑی اہمیت دی گئی تھی۔ قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّيْ عَامِلٌ ۚ (6:135) کہ تم اپنے طور پر کام کیے جاؤ مجھے اپنے طور پر کام کرنے دو نتائج خود بتا دیں گے کہ کون اپنے دعوے میں سچا ہے یا جھوٹا ہے۔ بڑا ہی مؤثر اور اہم اور مبنی علی الحقیقت ایک دعویٰ ہے۔ لیکن اس میں بھی ایک چیز تھی وہ بھی اس کے لیے تیار نہیں تھے اور یہ بھی اس لیے سامنے جلدی سے نہیں لا سکتے تھے کہ وہ جو فطرت کا طریقہ ہے کہ بیج بونے میں اور فصل پکنے میں ایک درمیانی عرصہ ہوتا ہے ایک وقفہ ہوتا ہے۔ یہ لوگ جو جھٹلاتے تھے وہ یہ کہتے تھے کہ تم یہ جو روز دعویٰ کرتے ہو کہ اس کا نتیجہ یہ ہوگا۔ قرآن نے جو کہا ہے کہ ظالم کی کھیتی پنپ نہیں سکتی تم یہ کہہ رہے ہو تو ہم اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھ رہے ہیں کہ اس کے الٹ ہو رہا ہے ظالم تو پنپتا چلا جاتا ہے۔ وہ یہ کہتے تھے آ کر۔ ادھر سے جسے کہا جاتا تھا اس کی بھی صورت یہ نہیں تھی کہ وہ آ کر کہیں اور یہ کچھ اسی طرح سے نظر بٹو کو پھیرے اور اس کے بعد نتیجہ سامنے لے آئے۔ یہ نہیں کر سکتا تھا۔ اسے بھی انتظار کرنا ہوتا تھا اس وقت تک کا۔ اور یہ واقعی یہ چیز جو ہے آپ دیکھتے ہیں کہ جب بھی کبھی کچھ دھاندلیاں زیادہ ہوتی ہیں یہ اعتراض بھی بہت ابھر کر سامنے آ جاتا ہے کہ صاحب قرآن یہ کہتا ہے کہ ان کو کامیابی نہیں ہو سکتی یہ تباہ ہو جاتی ہیں برباد ہو جاتی ہیں۔ قومیں جب اس قسم کے احوال و کیفیات میں سے گذرتی ہیں تو اس کے بعد اس نے سابقہ قوموں کی مثالیں دی ہیں کہ اس طرح تباہی آئی اس طرح سے یہ ہوا۔ اور ہم دیکھتے ہیں کہ صاحب یہاں تو کسی کا کچھ بگڑتا ہی نہیں ہے بلکہ روز بروز یہ لوگ اور زیادہ مرفع الحال ہوتے جاتے ہیں یہ غریب بے کس بے بس اور پستے چلے جاتے ہیں۔ یہ اعتراضات ابھر کے آ جاتے ہیں سامنے۔ اُدھر سے بھی آتے ہیں اِدھر سے بھی بہرحال جو شخص ایک پروگرام کو لے کر نکلا ہے اسے عمل میں لانے کے لیے اس قدر مشکلات اس قدر دشوار گذار راستوں سے اسے گذرنا پڑتا ہے اور اس پہ ایک لمبا عرصہ لگ جاتا ہے۔ فطری طور پر دل میں یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ یا اللہ مجھے ایمان تو ہے یقین تو ہے اس پہ کہ یہ کھیتی پکے گی نتائج برآمد ہونگے۔ تو کیا میری ساری عمر انہی مشکلات میں گذر جائے گی یا یہ میرے سامنے نتیجہ سامنے آ جائے گا۔ سامنے نتیجہ دیکھنے کی آرزو بڑی فطری ہوتی ہے' جی چاہتا ہے کہ یہ ایسا ہو جائے۔

چشمے کے صاف وشفاف بہتے ہوئے پانی کی مانند انسانیت کے امام نبی اکرم ﷺ کی 40 سالہ زندگی کے چند ایک نشانات

نبی اکرم ﷺ نے اس دعوے سے پہلے کی چالیس سالہ زندگی اندازہ لگایے اس زمانے میں دولت معیارِ تکریم یا عزت

نہیں ہوتا تھا' کریکٹر ہوتا تھا۔ کریکٹر کے اعتبار سے زندگی کی یہ کیفیت کہ سارا معاشرہ آپ کو امین کہتا تھا' اپنے معاملات میں آپ کو ثالث مقرر کیا کرتا تھا۔ قبائل کے بڑے بوڑھے بھی آتے تھے جس معاملے میں تنازع ہوتا تھا' اختلاف ہوتا تھا ان سے اس کا حل چاہتے تھے۔ تو گویا معاشرے میں ایک بڑی معزز حیثیت تھی۔ کوئی تکلیف نہیں تھی' کوئی دکھ نہیں تھا' گھر میں آسائش تھی' آرام تھا' جنتی زندگی تھی۔

نبوت ملنے کے بعد مصائب وآلام سے بھرپور زندگی اور پھر دل میں مچلنے والی ایک معصوم سی آرزو کا ذکر اور اس کا جواب

لیکن جب نبوت نے دعوت شروع کی چاروں طرف سے مخالفتیں ہجوم کر کے آ گئیں۔ وہی معاشرہ کہ جو چالیس سال تک اتنی عزت کرتا چلا آ رہا تھا انہوں نے وہاں جینا دوبھر کر دیا۔ پتھر پڑ رہے ہیں گالیاں دی جا رہی ہیں الزامات تراشے چلے جا رہے ہیں۔ حتیٰ کہ وطن چھوڑ دینا پڑا' گھر بار چھوڑ دینا پڑا' عزیز رشتہ داروں نے ساتھ چھوڑ دیا۔ آپ سوچئے ناکس قدر صبر آزما یہ مراحل ہوتے ہیں۔ اور اگلی بات یہ کہ وہ جس پروگرام کو لے کر نکلے ہیں اس کے بھی نتائج محسوس شکل میں ابھی سامنے نہیں آ رہے۔ بڑا ہمت طلب تھا مرحلہ یہ۔ تو اس معصوم سی آرزو کا دل میں مچل جانا کہ یا اللہ میری ساری عمر اسی طرح سے یہ مار کھاتے ہوئے گذر جائے گی یا وہ میری آنکھوں کے سامنے بھی سامنے آئے گا۔ یعنی یہ نہیں کہ اس میں یقین نہیں رہا کہ آئے کہ نہ آئے' آئے گا تو ضرور۔ صرف اتنی سی بات تھی کہ میرے سامنے یہ ہو جائے گا یا نہیں ہو جائے گا۔ تو یہ چیز وہ جو پہلی آیتیں گذری ہیں آپ دیکھتے ہیں کہ اس میں فطری ربط ہے اس آرزو کا۔ تو قرآن کا تو انداز یہ ہے کہ وہ چیزیں مسلسل بیان نہیں کرتا Gaps درمیان میں چھوڑتا ہے کہ تم اپنی بصیرت سے ربط قائم کرتے ہوئے Gap کو Fill in کرو۔ یہ الفاظ تو حضور ﷺ کے یہ آرزو اس کا تو اظہار نہیں الفاظ میں آیا جواب آیا ہے اس کا کہ اچھا یہ بات تمہارے دل میں بیدار ہوئی ٹھیک ہے ہونی چاہیے۔ لیکن ہم تو کسان کی ہزار آرزوؤں کے باوجود یہ کبھی نہیں کرتے کہ جس فصل کے پکنے میں چھ مہینے لگنے ہیں وہ پانچ مہینے میں پک کے سامنے آ جائے۔ کسان روز دعائیں مانگتا ہے' یہی نہیں' کسان کے بچے بھوک سے مر رہے ہیں ان کی خاطر ہی یہ کر دیا جائے کہ صاحب وہ چار مہینے میں پک کے گھر آ جائے۔ ہم تو یہ نہیں کیا کرتے۔ یہاں تو ہر چیز قاعدے اور قانون کے مطابق ہوتی ہے اور کسی کی آرزو وہ کتنی ہی معصوم اور مقدم کیوں نہ ہو اس کی خاطر بھی ہم اس میں تبدیلی نہیں کیا کرتے۔ وَاِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ (10:46) تمہیں اس سے غرض نہیں ہونی چاہیے کہ یہ نتائج تمہاری زندگی میں سامنے آتے ہیں یا تمہارے مرنے کے بعد سامنے آتے ہیں۔ یہاں تو آگے یہ کہا کہ فَاِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ اللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ ﴿۴۶﴾ (10:46) یہ بات کہ خدا جیسا ایک قادرِ مطلق دیکھ رہا ہے کہ یہ کیا کر رہے ہیں تمہارے لیے یہ کافی ہونا چاہیے۔ یہ تمام جو کچھ یہ کر رہے ہیں ان کے تمام پروگرام نے ان کی تمام حرکات وسکنات نے پلٹ کر آنا ہے اسی ہمارے قانونِ مکافات کے نقطے پر اور اسکے مطابق اس کا نتیجہ مرتب ہونا ہے۔ اس لیے تمہیں اس میں

گھبرانے کی بات نہیں ہے ۔ باقی رہا یہ کہ صاحب تمہاری زندگی میں ہوجائے یا وہ تمہارے بعد ہوگا ۔ عزیزانِ من ! حضور ﷺ تو ایک طرف آج ہمارا بھی یہ جی چاہتا ہے کہ اتنی لمبی مصیبتیں مشقتیں گذارنے والے مزدور کو اتنا تو کہہ دیا جاتا کہ خیر کوئی بات نہیں تمہارے سامنے یہ سامنے آجائے گا ۔ لیکن میں نے کہا ہے نا کہ خدا بننا تو جچتا ہی اسے ہے کہ جو جذبات میں نہ آجائے ۔ میں نے کہا ہے کہ موقعہ ہی ایسا ہے کہ آج ہمارے ذہن میں یہ بات اٹھتی ہے کہ اتنی سی بات تو ہونی چاہیے نا ۔ جواب اس کا ہے' یہی الفاظ ہیں سورۃ الرعد کی آیت 40 ویں ۔ غور کیجیے جواب کیا ملتا ہے ۔ وَاِنْ مَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ ﴿40﴾ (13:40) وہی الفاظ ہیں ۔ تمہاری زندگی میں یہ نتائج سامنے آجائیں یا تمہاری وفات کے بعد سامنے آئیں تمہیں اس سے غرض نہیں ہے ۔ سنیے کہا کیا ہے ۔ فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ ﴿40﴾ (13:40) تیرا کام یہ ہے کہ تو اس آواز کو پہنچائے چلا جا پہنچائے چلا جا یہ کہ یہ نتائج کب برآمد کرے گی اس کا حساب کرنا ہمارے ذمہ ہے تمہارے ذمہ نہیں ہے ۔ غور فرمایا آپ نے ۔ اپنے فریضے کو ادا کرتے چلے جاؤ ۔ یقین تو ہے نا تمہیں کہ یہ نتائج مرتب ہونگے ۔ بات تو اتنی ہی کہتے ہو نا تم کہ کب سامنے آئیں گے ۔ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ ﴿40﴾ (13:40) اس کے لیے قانون ہے ہمارے ہاں' اس قانون کی رو سے نتائج مرتب ہوتے ہیں ۔ یہ ہم حساب کر رہے ہیں کتنے دن ابھی باقی ہیں فصل کے پکنے میں ۔ اسے ہم پہ چھوڑو ۔ عَلَيْكَ الْبَلٰغُ (13:40) تمہارے ذمہ جو کام لگایا گیا ہے یا تم نے اپنے ذمہ جو فریضہ لیا ہے تم اسے ادا کرتے چلے جاؤ اس یقین کے ساتھ کہ اس کا نتیجہ نکل کر رہے گا ۔ یہ کہ وہ کب نکلے گا نتیجہ یہ ہمارے حساب کے مطابق ہوگا ۔ یہ جواب ملتا ہے عزیزانِ من ! ۔ نظر بظاہر خاصا ہمت شکن ہے یہ کہ مجھے کیا ملے گا ۔ لیکن جب یقیں محکم ہو تو پھر ہمت نہیں ٹوٹتی ۔

خدا تعالیٰ کی طرف سے ملنے والا جواب ایک نفسیاتی پہلو لیے ہوئے ہے :

اب یہ بات کہ میری زندگی میں نہیں ہوگا اس کے متعلق قرآن نے ایک ایسی نفسیاتی چیز کہی ہے ۔ اس نے کہا یہ ہے کہ یہ جو اتنی بڑی ہوس ہے کہ میری زندگی میں سامنے آئے یہ تو وہی کہے گا کہ جو سمجھے کہ موت کے ساتھ میرا خاتمہ ہوجانا ہے ۔ اور جب ایمان یہ ہے کہ زندگی جو ہے مسلسل چلنی ہے موت میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتی میں نے تو اس کے بعد بھی زندہ رہنا ہے ۔ تو جب کیفیت پھر یہ ہے کہ تو نے مرنا ہی نہیں ہے تو پھر یہ تمہارے دل میں کیوں خیال پیدا ہو رہا ہے ۔ ہمارے متعلق جو تم کہتے ہو کہ بڑے بڑے لمبے دن خدا کے ہوتے ہیں جلدی نہیں کرتا ۔ اس کی وجہ یہ ہے نا کہ ہم نے مرنا نہیں ہے ۔ کرنے کو تو ہم ایک دن میں یہ کر سکتے ہیں ۔ مشکل کیا ہے؟ جس نے ایک کن کہنے سے اتنی بڑی کائنات وجود میں لے آیا' کیا مشکل ہے کہ ادھر ڈالے گیہوں کا دوسرے دن فصل پک کے سامنے آجائے ۔ ہمارے لیے کچھ مشکل نہیں ہے ۔ لیکن اس کے باوجود تم دیکھتے ہو کہ ہم یہ اس طرح نہیں کرتے ۔ مقرر کیا ہوا قاعدہ ہے اس کے مطابق وہ چیز اگتی ہے پھلتی ہے پھولتی ہے اتنا وقت لیتی ہے ۔

اگر زندگی کا پیمانہ بدل دیا جائے تو اضطرابی کیفیت بدل جاتی ہے:

تو یہ جو ہمارے ذہن میں اضطراب نہیں پیدا ہوتا اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم نے مرنا نہیں ہے۔ تو جب تمہیں بھی یقین یہ آ جائے کہ تم نے مرنا نہیں ہے تو پھر تم اس سے مایوس نہیں ہو گے کہ یہ میری زندگی میں سامنے آتا ہے یا نہیں۔ زندگی کا پیمانہ بدل دو یہ اضطراب ختم ہو جائے گا۔ کیا بات ہے صاحب!!!۔ قرآن تو عزیزانِ من! انسان کو چھوٹے پیمانے میں خدا بنا دیتا ہے اپنی حدود کے اندر رہتے ہوئے۔ اب دیکھتے ہیں کہ مقام کیا دیا ہے۔ واقعی کام کرنے والا تھک کے چھوڑ دیتا ہے۔ یہ وہ بے تابی ہے

عاشقی صبر طلب اور تمنا بے تاب

یہ جو اضطراب ہے نا کہ

دل کا کیا رنگ کروں خونِ جگر ہونے تک

یہ اسی کے لیے ہوتا ہے کہ جسے یہ معلوم ہو کہ اس کے بعد میں نہیں رہونگا۔ اس کے بعد 'پس ازاں کہ من نہ مانم ہیچ چہ کار خواہی آمد' میں ہی نہیں رہونگا تو پھر آؤ گے تو کیا ہو گا۔ وہ کہتا ہے تمہارے دل میں یہ خیال ہی نہیں پیدا ہو سکتا کہ میں نہ رہونگا' تم نے مرنا ہے کہیں؟ تم نے تو زندہ رہنا ہے۔ اس واسطے یہ جو پیمانہ ہے یہاں سامنے آئے گا یا نہیں آئے گا اس کے لیے تمہیں مضطرب و بیقرار نہیں ہونا چاہیے۔

قرآنِ حکیم کا فلسفۂ حیات تو انسان کے تصورات کو ہی بدل دیتا ہے:

دیکھتے ہیں عزیزانِ من! کہ یہ جو قرآن کو ماننے والا مردِ مومن ہے اس کی زندگی کے یہ تصورات کیسے بدل دیتا ہے۔ اتنی سی بات کہ صاحب میری زندگی میں سامنے نہ آیا میں مر گیا مشقتیں کرتا کرتا مجھے کیا ملا۔ یہ تصور ہی ذہن سے اٹھ جاتا ہے اس کے۔ یقین یہ ہونا چاہیے کہ جس پروگرام کو لے کے میں اٹھا ہوں یہ صداقت پر مبنی ہے نتائج مرتب ہونگے۔ میری زندگی میں ہو جائیں تو کیا بعد میں ہو جائیں تو کیا۔ حالانکہ بڑے بڑے اربابِ عزم جو ہیں وہ بھی اس مقام پہ کئی دفعہ ہمتیں ہار دیتے ہیں کہ نہیں صاحب نہیں ہوتا۔ آخری وقت میں پھر وہ آ جاتے ہیں کہ چلو اللہ اللہ ہی کریں۔ مایوسی کا نام رہتا ہے۔ وہ کیا چیز ہے جس کی بناء پہ قرآن کہتا ہے کہ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ (39:53) یہ جو ہے رحمت اللہ سے قنوط' یہ کسے ہوتا ہے؟ وہ یہی چیز چاہتا ہے نا کہ میری زندگی میں یہ سامنے آ جائے۔ پروگرام ایسا ہو کہ جس کی صداقت پہ یقین ہو کہ نتائج نکل کے رہیں گے اور اس کے بعد یہ چیز کہ میں نے تو مرنا ہی نہیں ہے' مایوسی آ ہی نہیں سکتی عزیزانِ من!۔ بڑی عظیم چیز ہے جو قرآن اس میں کہہ گیا ہے۔ وہ جب ایسی ذاتِ اقدس و اعظم کو جو خدا سے قریب تریں محبوب تریں جسے ہم کہتے ہیں اسے یہ جواب مل رہا

یہ اس طرف اشارا ہے کہ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۪ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ؕ (2:228) قانونِ خداوندی کی رُو سے' مرد اور عورت کے حقوق و فرائض یکساں ہیں (پرویزؒ: مفہوم القرآن' ص:87)

ہے تو دوسرے جو ہیں کہ ان کے لیے خدا اپنا قانون بدل دے گا' حساب بدل دے گا کہ ہاں صاحب ہم نے تو مرجانا ہے جلدی جلدی ہمیں کچھ کر کے دکھا دیجیے۔ یہ جو نشاطِ کار ہے یہ ان چیزوں کے اندر خوشی کہ نتیجہ میرے ہی سامنے آ جائے یہ تو اسی کے لیے ہے کہ جس نے موت کے متعلق سمجھنا ہو کہ اس سے خاتمہ ہو جاتا ہے۔ نہ مرنے والا جو ہے اس کو کبھی یہ اضطراب پیدا نہیں ہوتا۔ کہا قاعدہ ہے قانون ہے۔ سنو کیا قانون ہے؟

قانونِ خداوندی یہ ہے کہ وہ کسی کو غلط راستے سے آگاہ کیے بغیر یونہی تباہ نہیں کرتا:

پہلی بات یہ کہ وَلِكُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولٌ ۚ فَإِذَا جَاءَ رَسُولُهُمْ قُضِيَ بَيْنَهُم بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿٤٧﴾ (10:47) پہلی چیز تو یہ ہے کہ غلط چلنے والوں کے سامنے ان کو وارننگ دینے والا آنا چاہیے وارننگ ملنی چاہیے ان کو تنبیہ ہونی چاہیے کہ یہ غلط راستہ ہے جس پہ تم چلے جا رہے ہو۔ قرآن نے متعدد مقامات پہ کہا ہے کہ ہم یونہی کسی امت کو تباہ کر دیا کرتے تاوقتیکہ انہیں یہ پتہ نہ چل جائے کہ ہم جس راستے پہ جا رہے ہیں غلط ہے۔ پہلی چیز تو یہ ہے۔ جب تک نبوت کا اجراء تھا اس زمانے تک رسول آتا تھا' ختمِ نبوت ﷺ کے بعد رسالت باقی ہے حضور ﷺ کی' قرآن باقی ہے قیامت تک۔ اس کے معنی یہ ہیں' یہی ہے رسالت پیغام' یہ باقی ہے۔ غلط چلنے والی قومیں جو ہیں آج یہ نہیں کہہ سکتیں کہ ہمیں اس کا علم نہیں تھا۔ تو کہا یہ کہ ایک تو یہ ہے کہ ان کو یہ علم ہو جانا چاہیے۔ جب یہ علم ہو جاتا ہے وارننگ مل جاتی ہے اس کے باوجود وہ قوم صحیح راستے پہ نہیں چلتی۔ اب دیکھئے جسے عام الفاظ میں تو اتمامِ حجت اسے کہتے ہیں۔ اتمامِ حجت نہیں ہے بلکہ یہ بڑا ہی انصاف کے مطابق ہے یہ کہ غلط چلنے والے کو یہ تو بتا دیا جائے کہ راستہ غلط ہے۔ یہیں سے قانونی ایک چیز سامنے آتی ہے جو قرآن نے کہا ہے کہ جب تک ایک بتانے والا نہ آئے ہم قوم کو ہلاک نہیں کرتے۔

سب سے پہلے مملکت کو قانون کی تشہیر کرنا لازم ہوگی تاکہ لوگ اس سے آگہی حاصل کریں:

قانونی نقطہ یہ ہے کہ قانون ملک کا جو ہے اس کی اس طرح سے تشہیر ہونی چاہیے کہ ہر فرد کو معلوم ہے کہ قانون کیا کہتا ہے۔ غلط معاشرے کے اندر پہلی چیز یہ ہے کہ وہ قانون اس کا پتہ ہی نہیں چلتا کسی کو۔ وہ کیا ہے کب بن گیا پھر اس کے بعد جو Ammendments ہوتی ہیں ان کے متعلق پتہ نہیں۔ اچھے اچھے Lawers جو ہیں ان کو معلوم نہیں ہوتا عوام کو تو ایک طرف رہا۔ کوئی مشینری ایسی نہیں ہوتی کہ جس کے ذریعے سے ہر فرد تک یہ بات پہنچ جائے کہ قانون کیا کہتا ہے۔ یہ ہوتی نہیں اور قانون یہ کہتا ہے کہ Ignorance of Law is no execuse یہ کہ صاحب اس قانون کا ہمیں پتہ نہیں تھا یہ عذر قابلِ سماعت نہیں ہو سکتا۔ قرآن کا جو عدل کا بنیادی تصور ہے اس میں یہ بات ہے کہ یہ بات پہلے پہنچائی جانی چاہیے کہ غلط کیا ہے صحیح کیا ہے۔ پھر اس کے بعد آگے۔ جب یہ ہو جاتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ قُضِيَ بَيْنَهُم بِالْقِسْطِ (10:47) عجیب چیز ہے یہاں۔ میں نے کہا تھا نا کہ قانونی نقطہ۔ وہ کہتا ہے انصاف کے مطابق پھر فیصلہ ہوتا ہے اور انصاف کا پہلا تقاضا یہ ہے کہ اسے معلوم ہو کہ قانون کیا ہے' میں اس کی خلاف ورزی کر رہا ہوں یا اس کے مطابق چل رہا ہوں۔ قُضِيَ بَيْنَهُم

بِالْقِسْطِ (10:47) قانون کا تقاضا پورا نہیں ہوتا اگر اس طرح سے قانون کی تشہیر نہ کی جائے کہ ہر فرد کو معلوم ہو کہ قانون کیا کہتا ہے۔ اسی لیے ہمارے ہاں دورِ اول تو ایک طرف رہا وہاں تو یہ ایسا انتظام تھا اس کے بعد کا زمانہ بھی جو ہمارا تھا جب پچھلے نقوش ابھی چلے آ رہے تھے۔

قانون سے راہنمائی حاصل کرنے کے لئے مملکت کی طرف سے بغیر کسی فیس کے کچھ افراد کا مقرر ہونا مفتی کہلاتا تھا

مملکت کی طرف سے جسے اب مفتی کہتے ہیں نا ''ایہ مفت دیاں کھان والا نئیں سی ہوندا'' یہ گورنمنٹ کی طرف سے حکومت کی طرف سے Institute ہوتی تھی یہ کہ ہر فرد معلوم کرنا چاہے کہ فلاں معاملے میں قانون کیا کہتا ہے تو وہ وہاں جا کے ان سے معلوم کر سکتا تھا بغیر معاوضے کے۔ قانون کا تو اس زمانے میں معاوضہ ہوتا ہی نہیں تھا دینا ہی نہیں پڑتا تھا۔ یعنی یہ گورنمنٹ کی طرف سے حکومت کی طرف سے یہ مقرر ہوتے تھے کہ وہاں جا کے وہ یہ پوچھ لے کہ جی فلاں معاملے میں قانون کیا کہتا ہے۔ قاضی نہیں وہ ہوتے تھے وہ اس کے Particular Case میں فیصلے نہیں دیتا تھا وہ شخص۔ وہ صرف یہ بتاتا تھا کہ ایسے معاملے میں قانون کیا ہے۔ وہ اس کے لیے تھا کہ قرآن نے یہ شرط عائد کر رکھی ہے قُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ قسط کا تقاضا یہ ہے کہ پہلے رسول آئے۔ اب دیکھا کس کس انداز سے قرآن بات کرجاتا ہے۔ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ (10:47) یوں کیا جائے گا تو اسے آپ ظلم نہیں کہہ سکتے کہ جی پتہ ہی نہیں کوئی بتایا ہی نہیں کوئی انتظام ہی نہیں مجھے معلوم ہی نہیں تھا اور یونہی میرا ٹینٹوا دبائے جا رہے ہیں۔ بِالْقِسْطِ اس وقت ہوتا جب پہلے رسول آئے گا۔ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ یوں ہوگا وہ۔ وَيَقُولُونَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۴۸﴾ (10:48) کہا یہ ٹھیک ہے تمہارے جی میں بھی یہ آرزو مچلی۔ لیکن یہ تو اعتراض کے طور پر یہ کہتے ہیں کہ کہیے جو تم کہتے ہو تباہی آئے گی تخریب ہوگی گرفت ہوگی' کب ہوگی یہ؟ مَتٰى کا وقت آ گیا۔ پوچھا جاتا ہے رسول سے جو روز ان سے کہتا ہے کہ تباہ ہو جاؤ گے۔ ٹھیک ہے۔ کسی نیت سے بھی پوچھتے ہوں بہرحال وہ یہ پوچھتے ہیں کب ایسا ہوگا۔ کہا مجھ سے پوچھ رہے ہو۔

مجھے کچھ علم نہیں کہ یہ تباہی کب آئے گی مجھے تو اپنے متعلق بھی غیب کا علم نہیں:

عجیب چیز ہے آگے جو کہی گئی ہے۔ کہا میں تمہیں بتاؤں میری حیثیت کیا ہے اس معاملے سارے کے اندر' میری حیثیت یہ ہے کہ لَآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا (10:49) تم تو ایک طرف رہے میں تو اپنی ذات کے لیے بھی کسی نفع اور نقصان کا کوئی اقتدار اور اختیار نہیں رکھتا چہ جائیکہ تمہارا متعلق میں فیصلہ دیدوں کہ ہاں صاحب' پرسوں مارے جاؤ گے تم۔ اور دوسری چیز اس میں دوسرے مقامات پہ قرآن نے یہ کہا ہے لَآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا (7:188) رسول اللہ ﷺ کی زبانِ مبارک سے کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ جیسے تمہیں غیب کا علم نہیں کل کیا ہونے والا ہے مجھے بھی نہیں علم۔ نفع اور نقصان سے وہ بچتا ہے نفع وہ زیادہ کماتا ہے جسے ذرا پہلے پتہ لگ جائے۔ آپ کو معلوم ہے ذرا پہلے پتہ لگنے سے کیا کیا کچھ نہیں

ہوجاتا۔ یہ بجٹ اناؤنس کرنے سے پہلے پہلے کتنے یہ گدھوں کی طرح اڑتے پھرتے ہیں ان ایوانوں کے کہ کہیں سے بھنک کان میں پڑ جائے کہ کس چیز کے اوپر ٹیکس نیا لگنے والا ہے۔ اتنی سی انفرمیشن جو ہے وہ سیل ہوتی ہے جب لاکھوں میں بکتی ہے۔ ذرا سا پہلے پتہ چل جائے۔ یہ ساری کرامات یہ ساری مزاریں یہ سارے ننگ دھڑنگ کھاتے اسی چیز کا ہیں کہ ذرا مجھے پہلے پتہ لگ جائے یہی پوچھتے ہیں نا جا کے۔ تو یہ مقربین کہلاتے ہیں جو پہلے کچھ بتاتے ہیں۔ یہاں سب سے بڑا مقرب جو ہے کائنات کے اندر سب سے بڑا مقرب انسان ﷺ وہ کہتا ہے کہ مجھے تو اپنے متعلق بھی پتہ نہیں کہ کل میرے ساتھ کیا گذرنے والی ہے۔

لفظ الا ماشآءاللہ کا وہ حقیقی تصور جس کے تحت وہ یہ لفظ استعمال کرتے تھے:

کیا بات ہے عزیزانِ من!!۔ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰہُ (10:49) کچھ بھی خدا کے قانون کے مطابق ہی ہوتا ہے۔ یہ میں ضمناً عرض کردوں یہ جو Construction ہے اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰہُ کی۔ پہلے تو اسے سمجھ لیجیے کہ یہ قرآن عربوں کی زبان میں نازل ہوا ہے تو اس زبان میں جو محاورے جو انداز جو تراکیب جو الفاظ تھے قرآن سمجھنے کے لیے پہلے ان کا سمجھنا ضروری ہے۔ یہ جو Construction ہے اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰہُ عربوں کے ہاں موجود تھی اور یہ اس وقت کہتے تھے جب اس میں انہوں نے کہنا ہو کہ حتمی طور پر یہ بات ہے یقیناً ایسا ہے۔ یہ Construction تھی۔ یہ جو ترجمہ ہے نظر بجز اس کے کہ جو اللہ چاہے یہ ہمارا آپ کا ترجمہ ہے۔ عرب یہ ترجمہ نہیں کرتے تھے اس کا' وہ کہتے یہ تھے کہ حتمی طور پر ایسا ہی ہوگا۔ قرآن نے آگے یہ اضافہ کردیا کہ یہ اس لیے ہوگا کہ ہر چیز قانون کے مطابق ہوتی ہے اور قانون کو ہم بدلتے نہیں ہیں۔ اس لیے اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰہُ کے معنی یہ متعین ہوگئے اب 'خدا کے قانون کے مطابق جو بدلتا نہیں ہے'۔ تو بات وہی ہوگئی کہ یہ حتمی طور پہ ہوگا ایسا۔ ضمناً بات تھی۔ کہا پھر یہ چیز کہ صاحب یہ ظلم کرنے والے جو ہیں تباہ فوراً کیوں نہیں ہوتے۔ کہا اس لیے کہ وہ جو مشیت ہے خدا کا قانون ہے۔

لفظ ''مشیت'' کا اور اجل کا مفہوم:

پھر سمجھ لیجیے مشیت کے بھی وہ معنی نہیں جو ہمارے ہاں ذہنوں میں ہیں۔ ہمارے ہاں ذہن میں تو مشیت کے معنی ہیں نا جہاں قاعدہ قانون کچھ نہیں جسے ہم کہتے ہیں مرضی اللہ کی 'خدا کی مرضی ایسی تھی'۔ مشیت کے بھی یہ معنی نہیں ہیں مشیت کے معنی ہیں خدا کا وہ قانون جو وہاں بنا تھا جہاں ہماری رسائی نہیں ہے۔ قانون' قانونِ مشیت جب وہ اس کائنات میں آجاتے ہیں تو وہ کہیں قانونِ فطرت کہلاتے ہیں کہیں وہ قوانینِ تمدنی زندگی کہلاتے ہیں جو قرآن کے اندر ہیں۔ اور وہاں جب تک خدا کے ہاں ہوتے ہیں انہیں قوانینِ مشیت کہا جاتا ہے۔ بہرحال۔ کہا اب تمہیں بتاؤں یہ کہ یہ بھی جلدی مچا رہے ہیں تمہارے دل میں بھی یہ آرزو ابھر رہی ہے کہ جلدی سے آئے۔ لِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ (10:49) وہ اجل تو ہمارے ہاں تو موت ہی کے لیے ہوتا ہے یہ لفظ۔

اگر ہر قوم کے لئے موت اور زندگی کی معیاد مقرر ہے تو ہر معیاد کے لئے بھی تو ایک قانون مقرر ہے:

اجل کے معنی اصل میں ایک معیاد ہوتی ہے ایک وقفہ ہوتا ہے جو بیج بونے میں اور پھل کے پکنے کے درمیان ہوتا ہے۔ یہ اجل معیاد کو کہتے ہیں اور اس معیاد کا جو آخری لمحہ ہوتا ہے جہاں اس نے ختم ہوجانا ہوتا ہے اسے بھی اس کی اجل کہی جاتی ہے ۔وقفے کا ہر لمحہ اجل ہوتا ہے آخری لمحہ بھی اجل ہوتا ہے۔ کہا لِكُلِّ أُمَّةٍ أَجَلٌ (10:49) آ گئی پھر وہی تقدیر کا مسئلہ ہمارے ہاں مجوسیوں کا کہ صاحب قرآن کہتا ہے ہر قوم کی ایک اجل ہوتی ہے مقرر ہوتی ہے۔ تو یہ تو مقرر شدہ ہے بات کہ اس قوم نے اتنا عرصہ زندہ رہنا ہے اُس نے اتنا عرصہ زندہ رہنا ہے۔ اجل کا یہ ترجمہ پہلے۔ اتنی سی چیز لی لِكُلِّ أُمَّةٍ أَجَلٌ اور دوسری جگہ یہ نہ دیکھا عزیز انِ من! وہی تصریفِ آیات۔ لیجیے (13:38) ملایئے دونوں آیتوں کو۔ لِكُلِّ أُمَّةٍ أَجَلٌ (10:49) ؕ لِكُلِّ أَجَلٍ كِتَابٌ (13:38) ہر قوم کے لیے ایک معیاد ہوتی ہے اس کی موت اور زندگی کی اور ہر معیاد کے لیے ایک قانون مقرر ہے۔ بات صاف ہوگئی۔ وہ ایک قانون مقرر ہے۔ اس قسم کے کام کرنے والی قوم یہ ہوگی۔ اس مرنے والے کے لیے بھی تو یہ صورت ہے بعض امراض ایسے ہوتے ہیں دس دس سال تک مرض چلتا چلا جاتا ہے ہر قدم اس کا اٹھ رہا ہوتا ہے موت کی طرف۔ لیکن موت آتی ہے پر نہیں آتی' وہ بھی اجل ہوتی ہے۔ ایک وہ بھی اجل ہوتی ہے کہ ڈاکٹر صاحب رات اچھا بھلا سویا صبح اٹھا تو مرا پڑا تھا۔ رات تو ایک طرف رہا وہ کہتے ہیں چلتے ہوئے یونہی گر پڑا مر گیا۔ اس کے لیے بھی قانون ہوتا ہے۔ تو جب کہا کہ قوموں کے لیے قانون ہے تو وہ دیکھنا یہ ہے کہ پھر وہ قومیں کس کس قسم کا کام کرتی ہیں۔ لِكُلِّ أُمَّةٍ أَجَلٌ (10:49)۔ لِكُلِّ أَجَلٍ كِتَابٌ (13:38)۔

خدا کی کتاب کے سلسلہ میں بہائیوں کے دعویٰ کی نوعیت اور تجزیہ:

ضمناً بات یاد آ گئی ہمارے ہاں یہ جو نبی آتے ہیں عجیب قسم کے جاہلِ مطلق ہوتے ہیں' یہ بہائیوں کے ہاں بھی دعویٰ کیا باب نے اور اس کے بعد بہا اللہ نے۔ وہ کہا یہ کہ صاحب جو کتاب آتی ہے خدا کی طرف سے اس کے لیے ایک پیریڈ ہوتا ہے صرف' ایک زمانہ ہوتا ہے اس زمانے تک کے لیے وہ کتاب زندہ رہتی ہے اس کے بعد پھر اس کا زمانہ ختم ہوجاتا ہے۔ جیسے کلینڈر رہوتا ہے 31 دسمبر کو ختم' ریلوے کے ٹائم ٹیبل ہر چھ مہینے کے بعد وہ بدلتا ہے۔ تو انہوں نے کہا کہ وہ ہر کتاب کے لیے ایک وقفہ ہوتا ہے اس کے بعد وہ اس کا پیریڈ ختم ہوجاتا ہے پھر ایک نئی کتاب آنی چاہیے۔ یہ ہے ان کے ہاں کا مؤقف۔ وہ اپنے ہر دعوے کو قرآن سے پیش کرتے ہیں۔ یعنی ایک طرف یہ بھی مانتے ہیں کہ یہ کلینڈر ختم ہوگیا تھا 31 دسمبر تک'' و یاہ دیاں تاریخاں اوسے کلینڈر نال متھ دے ہیگے'' دلیلیں اسی قرآن سے لاتے ہیں۔ دلیل یہ لائی گئی لِكُلِّ أَجَلٍ كِتَابٌ (13:38) ہر کتاب کے لیے ایک پیریڈ ہوتا ہے۔ اور قرآن میں ہے لِكُلِّ أَجَلٍ كِتَابٌ (13:38) ہر معیاد کے لیے ایک قانون ہوتا ہے۔ قرآن میں کہیں نہیں آیا لِكُلِّ كِتَابٌ أَجَلٍ یا یہ کہ قرآن کے متعلق کہیں یہ آیا ہو کہ اس کی بھی ایک

معیاد ہے ایک زمانہ ہے ایک پیریڈ ہے جس میں یہ رہے گا۔ وہ تو قیامت تک کے لیے دیا گیا ہے۔ بہرحال۔

زندگی اور موت کے غیر متبدل اصول جن کی آگہی ازبس ضروری ہے:

ہر قوم کے لیے اس کے پروگرام اور اعمال کے مطابق۔ یہ کیا ہے جو اجل ہے۔ یہ وہ کشمکش کا زمانہ ہے جو زندگی اور موت کے درمیان مریض کے اندر جاری ہوتا ہے۔ ہلاک کرنے والے عناصر Attack کرتے ہیں مدافعت کرنے والے اس کا مقابلہ کرتے ہیں۔ کشمکش ہوتی چلی جاتی ہے۔ مقابلہ کرنے والوں میں جب تک قوتِ مدافعت رہتی ہے زندہ رہتے ہیں جس دن قوتِ مدافعت ختم ہو جاتی ہے شکست کھا جاتے ہیں۔ اُسے موت کہا جاتا ہے۔ جو کچھ آپ کے ہاں علاج یا طب یا ڈاکٹر کرتا ہے وہ صرف اتنا ہوتا ہے کہ وہ جو مدافعت کرنے والی اندر قوت ہے اس قوت کو اور مزید تقویت دیتا ہے وہ۔ یہ جو عرصہ درمیان میں رکھا گیا ہے عین عدل کے مطابق ہے کہ ان کو وارننگ دیے جاؤ یہ بتائے جاؤ مرض یہ ہے تمہارا۔ ہلاکت آفریں عناصر اس طرح سے تم پر مؤثر ہو رہے ہیں اس کی مدافعت کا یہ طریقہ ہے ان کو طاقت بہم پہنچانے کا یہ مداوا ہے کرتے چلے جاؤ۔ اس کے باوجود وہ اگر نہیں کرتا تو پھر ایک دن مدافعت کی قوتیں جواب دے جاتی ہیں اور یہ اس قوم کی پھر ہلاکت ہوتی ہے۔ کہا اس کے مطابق ہوتا ہے۔ لیکن یہ سمجھ لیجیے کہ اس دوران میں تو ابھی اس کا چانس ہوتا ہے مہلت ہوتی ہے کہ اگر وہ اپنی روش کو بدل لے تو پھر اس کا پلڑا مدافعت کا بھاری ہوتا ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ قرآن میں آخری فیصلے کے لیے جو کہتے ہیں میزان کھڑی ہوگی قیامت میں' اس میں کہا یہ گیا ہے کہ ایک ایک ذرہ غلط اور صحیح کا تولا جائے گا۔ وہاں بھی جو معیار مقرر کیا ہے قرآن نے فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ ۝ فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ ۝ وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ ۝ (101:6-8) کہا ہے کہ پلڑا بھاری کونسا ہے۔ یہ جو ہلاکت آفریں کشمکش ہوتی ہے ہمارے اندر' کوئی بھی سانس لینے والا ایسا نہیں ہے جس میں یہ ہلاکت آفریں چیزیں اندر نہیں جاتیں۔ ہوتا یہ ہے کہ وہ مدافعت کرنے والا پلڑا بھاری ہوتا ہے۔ جس کا یہ پلڑا بھاری ہوتا ہے وہ زندہ رہتا ہے۔ یہ وجہ ہے کہ انسان معصوم نہیں پیدا کیا گیا' اس سے لغزشیں ہوتی ہیں۔ سوال یہ ہوتا ہے کہ کیا تخریبی کاموں کا پلڑا بھاری ہو گیا ہے یا تعمیری کاموں کا پلڑا بھاری ہے۔ قوموں کی بھی یہی صورت ہوتی ہے۔ تخریب میں وہ اترتی ہیں اگر تعمیری کاموں کا پلڑا بھاری رہتا ہے تو ان کو زندگی ملتی جاتی ہے۔ ابھی مہلت ہوتی ہے۔ جب یہ کیفیت ہو جائے کہ تخریبی پلڑا بھاری ہو جائے اور اس کے بعد پھر ان کی اجل آتی ہے۔ جب یہ وقت آ جاتا ہے تو کہا کہ اِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ فَلَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ۝ (10:49) پھر اس میں ایک لمحہ کی بھی کمی بیشی نہیں ہو سکتی۔ اس وقت پھر طبیب مریض کی بالی سے مایوس اٹھ جاتا ہے' No Hope' وہ کس وقت کہتا ہے No Hope؟ ابھی سانس تو آ رہا ہوتا ہے' جب وہ دیکھتا ہے کہ مدافعت کا پلڑا بہت اونچا چلا گیا ہے۔ یہ ہے جو قرآن نے اصول بتایا ہے اس کے مطابق کہا کہ تم بھی نہیں جلدی کر سکتے ہو نہ تمہاری آرزوؤں کی خاطر ہم جلدی سے ان کا پلڑا جھکا دیں گے' انصاف کے خلاف ہوگا۔ نہ ان کا یہ تقاضا کہ صاحب بتاؤ جلدی سے کر کے تب ایمان لائیں گے۔ کہا سوال ہی نہیں ہے۔ ہم نے ان کے ایمان سے کونسا ووٹ حاصل کرنا ہے کہ بل

پاس نہیں ہوگا ہمارا۔ وہ تو ان کی اپنی زندگی اور موت کا سوال ہے' ہم تو صرف قانون دینے والے ہیں۔ اس لیے نہ ان کے لیے نہ تمہارے لیے۔ لَيْسَ بِأَمَانِيِّكُمْ وَلَآ أَمَانِيِّ أَهْلِ الْكِتٰبِ (4:123) وہاں کہا ہے کہ نہ تمہاری آرزوؤں کے مطابق نہ تمہارے مخالفین کی آرزوؤں کے مطابق۔ نہ بھائی یہاں تو فیصلے قانون کے مطابق ہوتے ہیں۔ جب وہ وقت آ جاتا ہے کہا کہ قُلْ أَرَءَيْتُمْ إِنْ أَتٰىكُمْ عَذَابُهُۥ بَيَاتًا أَوْ نَهَارًا مَّاذَا يَسْتَعْجِلُ مِنْهُ الْمُجْرِمُونَ ﴿٥٠﴾ (10:50) کہا دوسری بات ان سے یہ پوچھو کہ اگر تو کوئی مریض یہ پوچھے طبیب سے روز کہ ڈاکٹر صاحب میں کب اچھا ہو جاؤنگا۔ تو اس کا یہ پوچھنا قابلِ التفات ہوتا ہے ہمدردی چاہتا ہے۔ اور اگر وہ روز یہ پوچھے کہ ڈاکٹر صاحب میں کب مرونگا مرتا کیوں نہیں ہوں۔ اب سوچو تو سہی اس کو کیا جواب دیں۔ آگے بات یہ کہہ رہے ہیں۔ کہا تم ان سے یہ کہہ رہے ہو کہ تمہاری روش ایسی ہے کہ تباہ ہو جاؤ گے۔ ان سے پوچھو کہ کبھی کوئی مریض یہ پوچھا کرتا ہے اور یہ دن رات تم سے یہ پوچھتے ہیں کب تباہ ہونگے۔ ارے کم بختو کونسا وہ عید کا چاند ہے جو تم یہ کہتے ہو کہ صاحب نکلتا ہے انتیس کو یا نہیں نکلتا۔ اوموت کا پیغام ہے اس کے جلدی مچا رہے ہو۔ مَّاذَا يَسْتَعْجِلُ مِنْهُ الْمُجْرِمُونَ ﴿٥٠﴾ (10:50) مجرم جس چیز کے لیے جلدی کر رہا ہے وہ کونسی چیز اس کے لیے ایسی باعثِ مسرت یا نشیدِ انبساط ہے جس کے لیے یہ روز کہتا ہے کہ بتاؤ صاحب کب آئے گا۔ أَثُمَّ إِذَا مَا وَقَعَ ءَامَنتُم بِهِۦٓ (10:51) کہا کہ یہ ہے بات کہ روز پوچھتے ہو کہ صاحب اس وقت تو ہم تمہاری بات کا یقین نہیں کرتے' جب موت آ جائے گی تو اس وقت ہم مان لیں گے کہ ہاں تم نے سچ کہا تھا۔ تو کہا کہ آلْـٰٔنَ (10:51) اس وقت تمہیں یہ ماننا فائدہ کیا دے گا۔ پھر یہ سوال غلط ہے۔ جب اس کے بعد یہ مہلت کا وقفہ ہی نہیں رہے گا کتنی قوتِ مدافعت ڈاکٹر کیوں نہ بڑھا دے وہ مقابلہ ہی نہیں کر سکیں گے تخریبی Elements کا تو فائدہ کیا ہوگا اس وقت تمہارے ایمان لانے کا ڈاکٹر سے کہنے کا کہ ہاں صاحب ہم مانتے ہیں بہت اچھے طبیب ہو تم۔ اس وقت کچھ فائدہ ہی نہیں ہے۔ وَقَدْ كُنتُم بِهِۦ تَسْتَعْجِلُونَ ﴿٥١﴾ (10:51) پہلے اتنی جلدی مچاتے تھے اور جب ہلاکت سر پہ آ جائے گی تو اس وقت پھر تم کہو گے کہ ہاں ہاں صاحب ہم ایمان لاتے ہیں تو فائدہ کیا ہے اس وقت۔ اس وقت سوچو سمجھو ابھی اس کے لیے مہلت ہے۔ دیکھتے ہیں عزیزانِ من! قومیں سمجھتی نہیں ہیں' عجیب بات ہے پتہ نہیں کیا ہو جاتا ہے قوموں کو۔ ذرا باہر کھڑا ہوا آدمی دیکھ رہا ہوتا ہے کہ تباہی کی طرف چلے جا رہے ہیں لیکن یہ جو جا رہے ہوتے ہیں انہیں دکھائی نہیں دیتا کہ تباہی کی طرف جا رہے ہیں۔ ثُمَّ قِيلَ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا ذُوقُوا عَذَابَ الْخُلْدِ ۚ (10:52) اس وقت تو پھر سوائے اس کے کہ یہ ان سے کہا جائے کہ نہیں بھئی یہ جو اب تباہی آ گئی ہے یہ تو اب ہمیشہ رہنے والی ہے۔ یعنی یہ تو اس وقت ٹل نہیں سکتی موت آ گئی اس کا وقت آ گیا۔ اور وہاں بھی یاد رکھئے یہ بات نہیں ہے کہ ہم نے کچھ فیصلہ کر دیا تھا اور ہماری مرضی کے مطابق یہ ہوگا اور اب نہیں تم بچ سکتے۔ کہتا ہے نہیں۔ هَلْ تُجْزَوْنَ إِلَّا بِمَا كُنتُمْ تَكْسِبُونَ ﴿٥٢﴾ (10:52) یہ تو تمہارے اپنے ہی کیے کا نتیجہ ہے جو تمہارے سامنے آیا ہے ہم نے تو صرف قانون مقرر کیا تھا۔ آگے کہہ رہا ہے۔

بدعملی کے نتائج یقیناً مرتب ہو کر رہیں گے اور یہ کبھی ٹل نہیں سکتے:

وَيَسْتَنْۢبِـُٔوْنَكَ اَحَقٌّ هُوَ ۭ (10:53) اور جب یہ ان کے کہنے کے مطابق روز جو یہ کہتے ہیں تو تباہی اسی وقت نہیں آتی۔ تو تم سے پوچھتے ہیں کہ سچ مچ بتاؤ ایمانداری سے' یونہی مذاق کرتے ہو یا واقعی ٹھیک کہتے ہو تم۔ کہتا ہے یہ پوچھتے ہیں۔ وہ جو تمہیں اس سے پیشتر ہر معاملے میں صادق اور امین کہا کرتے تھے تم سے فیصلے کرانے آتے تھے تم جب ان کی تباہی کے متعلق یہ بات کہتے ہو کہ اس روش سے تباہ ہو جاؤ گے۔ تو کیفیت یہ ہے کہ یہی نہیں کہ خود غور و فکر سے اس پر توجہ نہیں دیتے سوچتے نہیں' بلکہ تم سے آ کے پوچھتے ہیں کہ بھئی ''سچ سچ دس'' کیا ٹھیک ہے جو کچھ تم کہتے ہو۔ قُلْ اِيْ وَرَبِّيْٓ اِنَّهٗ لَحَقٌّ ۭ (10:53) ہاں اور میرا پروردگار شاہد ہے اس چیز کے اوپر کہ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ۝ (10:53) دیکھئے عربی زبان جاننے والے جانتے ہیں۔ اِيْ وَرَبِّيْٓ اِنَّهٗ لَحَقٌّ ۭ (10:53) بالکل حقیقت ہے جو کچھ میں کہہ رہا ہوں اور میرا خدا اس پہ شاہد ہے میں اپنی طرف سے تھوڑا کہہ رہا ہوں۔ اور رب یہاں کہا ہے کہ جو کسی شے کو نقطۂ آغاز سے آخر تک بتدریج پہنچاتا ہے۔ تو یہ چیز تدریجاً ہوتی ہے۔ اس لیے اس کا جو پروگرام ہے تدریجاً لے جانا والا وہ اس پہ شاہد ہے کہ یہ ہو کر رہے گا۔ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ۝ (10:53) یاد رکھو تم اس کے قانون کو شکست نہیں دے سکتے۔ اس پہ بھی اپنی طرف سے یہ نہیں کہا ہے کہ تم یہ بار بار کہتے ہو چڑاتے ہو مجھ کو یہ پوچھتے ہو ''دیکھو ہُن میں کی کرنا ہیگا''۔ میں کیا کرتا ہوں تو بات ہی یہاں نہیں آتی' ایک قانون ہے جس کے مطابق یہ ہوگا اور تم اسے شکست نہیں دے سکتے۔

مدائن کے اندر ایران کی تباہی ایک حقیقت بن کر سامنے آ گئی تھی:

وَلَوْ اَنَّ لِكُلِّ نَفْسٍ ظَلَمَتْ مَا فِي الْاَرْضِ لَافْتَدَتْ بِهٖ ۭ (10:54) اور پھر یاد رکھو کہ جب وہ فیصلہ کن گھڑی آ جاتی ہے تو پھر تم اگر ساری دنیا کے خزانے دے کر بھی چاہو کہ اس کے کفارے میں یہ دیدوں اور اس ہلاکت سے بچ جاؤں یہ نہیں ہو سکتا۔ تباہ ہونے والی قوموں کے خزانے بالکلیہ خالی تو نہیں ہوتے جس دن وہ تباہ ہوتے ہیں۔ جس دن ایران کی تباہی آئی تھی مدائن میں اس جماعت کے ہاتھوں میں' تو وہاں ایک مدائن کیپٹل سٹی کے اندر سے جو کچھ انہیں ملا تھا یہ عرب جیسی قوم بیچاری انہوں نے تو کہانیاں سنی ہوئی تھیں۔ یہ اپنی آنکھوں کے اوپر یقین نہیں کرتے تھے کہ دنیا میں اتنی دولت بھی کہیں ہوتی ہے۔ اور ایک ہی جگہ ابھی تو وہ تھی' مملکت پوری بھری پڑی تھی۔ شکست کھائی فوجوں نے' مملکت گئی فوجیں ختم ہوئیں اور سربراہِ مملکت کسریٰ کہ جس کا نام' تاریخ میں آج تک جس کی دھوم پڑی ہوئی ہے جان بچاتا ہوا مارا مارا پھرتا رہا عزیزانِ من!۔ کہیں پناہ نہیں مل رہی تھی اس کو' مختلف سلطنتوں میں گیا مختلف مملکتوں میں گیا پناہ لینے کے لیے' کہیں پناہ نہیں ملی۔ ایک پن چکی کے اندر مرا ہوا پایا گیا تھا۔ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ۝ (10:53) تم اسے شکست نہیں دے سکتے۔ اس وقت اگر ساری دنیا کی دولت دے کر بھی چاہو کہ چھوٹ جائیں کفارے سے' اس سے وقت نہیں چھوٹ سکتے' تباہی مقدر ہوگی۔ وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ ۚ (10:54) کفارہ ہی نہیں اس وقت کا Regret کیا ہوا ہے مجھے افسوس

ہے میں نے کیا یہ بھی کام نہیں دے سکتا۔ ہاں ڈاکٹر صاحب آپ ہزار کہتے تھے کہ نہیں بھئی یہ چھوڑ دو اس چیز کو اس سے موت آ جائے گی۔ میں نے یہ نہ چھوڑا' یہ کہنا بھی اس وقت کچھ کام نہیں دے گا۔

جب قانون فیصلہ دے دے تو پھر ندامت کا تصور چہ معنی:

ندامت وہ ہے نا کہ جس کے بعد انسان پلٹ آئے صحیح راستے کے طرف۔ پلٹ آنے کے لیے چلنے کی قوت چاہیئے' پھر اس موڑ پر آ کر پھر ٹھیک راستے پہ چلنے کے لیے وقت چاہیے۔ اور اگر یہ دونوں چیزیں نہیں ہیں تو وہاں یہ احساس ہونا کہ غلط تھا یہ جو کچھ کیا' پھر تو کچھ کام نہیں دے سکتا۔ اسی لیے اس وقت جب تباہی آ جاتی ہے تو یہ ندامت اور یہ Regret بھی کسی کام نہیں آتا نہ کفارہ کسی کام آتا ہے نہ اس وقت یہ ندامت کسی کام آتی ہے۔ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ (10:54) اس لیے کہ قانون نے فیصلہ دیدیا ہوتا ہے ان کے ہاں۔ بِالْقِسْطِ (10:54) پھر یہاں وہی آیا کہ فیصلہ قانون نے دیدیا ان کے ہاں۔ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ (10:54) کوئی زیادتی نہیں ہوئی ہے ان کے خلاف۔ وہ جو خلافِ قانون ہوتا ہے وہ تو یہ ہے یہ جو آجکل اغوا کرتے پھر رہے ہیں۔ کہنا یہ ہے کہ اردن والوں سے کہیے کہ ہمارا وہ قیدی چھوڑ دیں۔ سعودی عربیہ والے جو وہاں بیٹھے ہوئے ہیں جن کا ان پہ ہاتھ ہی نہیں ان کے آدمی ہیں ان کو اغوا کر لیا جاتا ہے۔ تو وہ ان سے کہیں کہ ان کو چھوڑ دیں ورنہ ہم ان کو مار دیں گے۔ آپ دیکھتے ہیں کہ یہ اس عمل کے اندر کوئی ربط نہیں قانون کا۔

کائنات کی ایک ایک قوت انسانی اعمال کا نتیجہ ساتھ کے ساتھ مرتب کرنے میں مصروف کار ہے:

وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ (10:54) دھاندلی نہیں وہاں۔ یہ کہ تم اسے شکست نہیں دے سکتے دلیل ہے اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ (10:55) اس قوت کے زور کے اوپر تم اسے شکست دو گے' کائنات کی ساری قوتیں اس کے پروگرام کو کامیاب کرنے کے لیے روبہ عمل ہیں۔

ابر و باد و مہ و خورشید ہمہ در کار اند

قرآن نے بھی دوسری جگہ کہا ہے یہ سارا سلسلۂ کائنات اس لیے سرگرمِ عمل ہیں کہ کسی کا کوئی کام بلا نتیجہ یہاں نہ رہ جائے۔ یہ مکافاتِ عمل کا قانون یہ بنیادی قانون ہے یہ سارے باقی قوانین اس کے خدمت گذار ہیں اس کے لیے یہ سب کچھ ہو رہا ہے۔

خدا کے وعدہ سے مراد خدا کا قانون ہے اور ہمیشہ اٹل ہوتا ہے:

اَلَآ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ (10:55) آگاہ کر دو ان کو اس بات سے کہ خدا کا ہر وعدہ حق ہوتا ہے۔ جسے وعدہ خدا کا کہا جا رہا ہے اُسے ہی ہم اپنی زبان میں قانون کہتے ہیں۔ قانون کا لفظ قرآن میں نہیں آیا عرب اسے ان الفاظ میں استعمال ہی نہیں کیا کرتے تھے۔ وہ بھی عجیب قوم تھی ان کے ہاں بھی اس کے لیے وعدے کا لفظ ہوتا تھا کہ اس نے وعدہ کر لیا ہے اٹل ہے ایسا ہو کے رہے گا۔ بڑی عجیب چیز ہے عزیزانِ من!۔ قوموں کے اندر جب یہ چیز پیدا ہو جائے بڑی خود اعتمادی ہوتی ہے

کہ وعدہ قانون کی حیثیت لے لے۔ اور قومیں جب بگڑتی ہیں تو وہاں قانون جوتی کی حیثیت نہیں رکھتا وعدہ تو ایکطرف رہا قانون کی حیثیت لے لے۔ قرآن نے اسی لیے خدا کے متعلق جہاں کہا ہے وعدے کے متعلق کہا ہے۔ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ (13:31) وہ کبھی وعدہ خلافی نہیں کرتا۔ کتنی بڑی پابندی ہے جو خدا اپنے اوپر عائد کرتا ہے عزیزانِ من! ہم جو وعدہ کرتے ہیں ہم بھی اس کے خلاف نہیں کرتے۔ اب آپ سوچئے کہ لمبی چوڑی باتیں چھوڑ دیجیے عزیزانِ من! اور پروگرام تو' ایک اتنا سا پروگرام وعدے کا۔ قوم میں اتنی سی بات اگر پیدا ہوجائے وعدہ کرنے والا جو ہے اس کے اوپر اعتماد آپ کو یہ ہو کہ یہ وعدہ شکنی نہیں ہوگی قوم کی کایا پلٹ ہوجاتی ہے اتنے سے۔ یہاں Actually اتنے دھوکے نہیں ملتے جتنے کہ In-Security کی جو Sence ہے نا ہمارے ہاں' عدمِ اطمینان اور عدمِ اعتماد کا جو احساس پیدا ہوگیا اس کا نام ہے حزن اس کا نام ہے یہ پریشانیاں۔ تو کہا ہے تو اس نے بڑے یقین دلائے ہیں اس نے کہا ہے' او پھر تم کیوں مارے مارے؟'' کچھ پتہ نئیں ہیگا اوہدا''۔ یہ ہے نا حزن' یہ ہے وہ چیز۔ ان کے عہدِ جاہلیت میں یہ چیز تھی کہ جب وہ کسی سے کہتے تھے کہ ہاں آجاؤ میرے ہاں' میں پناہ دونگا۔

اپنے بیٹے کے قاتل کو پناہ دینے والے سے وعدہ خلافی نہیں کی:

اس پناہ دہی کے بعد یعنی کیفیت یہ تھی اس سردار کی' پناہ دی دینے کے بعد یہ معلوم ہوا کہ یہ شخص تو میرے بیٹے کا قاتل تھا۔ اُسے کہا کہ اطمینان رکھو اس علم کے باوجود کہ تم میرے بیٹے کے قاتل تھے میرا وعدہ جو ہے وہ اسی طرح سے Stand کر رہا ہے۔ وہ باہر سے وہ جو دشمن تھے انہوں نے محاصرہ کیا ہوا تھا اس کے قلعہ کا' اس کا دوسرا بیٹا کہیں باہر سے آ گیا دشمن نے پکڑ لیا کہا کہ اسے ہمارے حوالے کرو ورنہ اس کو مار دیں گے۔ کہا اسے میں وعدہ دے چکا ہوں۔ جس نے ایک بیٹا مار دیا ہوا تھا اس کا قاتل ہے اپنے ہاتھ میں کہ اسے میں پناہ دے چکا ہوا ہوں' خود اس کے خلاف کچھ نہیں۔ دوسرا بیٹا ان کے ہاتھ میں ہے اور کہہ رہا ہے کہ میں اسے پناہ دے چکا ہوں میں وعدہ خلافی نہیں کرتا۔ سامنے بیٹا مروا دیا اس کی وعدہ خلافی نہیں کی۔ اور اس کے بعد اسے کہا کہ میں اپنی حدود سے اپنی حفاظت میں تمہیں باہر پہنچاتا ہوں۔ کہا کہ باہر پہنچنے کے بعد احتیاط برتنا اپنی حفاظت کر لینا میں انتقام لے کے چھوڑونگا تم سے۔ عزیزانِ من! جس قوم کی جاہلیت کے زمانے میں یہ کیفیت تھی وہ قوم تھی کہ جب وہ خدا پہ ایمان لائی اس نے کہا کہ ٹھیک ہے ہمارا خدا کہتا ہے کہ ہم وعدہ خلافی نہیں کرتے' ہم اس کے نام کے اوپر اٹھنے والے کبھی وعدہ خلافی نہیں کریں گے۔ اور پہلی چیز قوم کے اندر باہمی اعتماد تھا جس نے سکون پیدا کر دیا تھا ہر ایک کے دل میں' دشمن کے متعلق بھی پتہ تھا کہ دشمن ہے۔ یعنی یہ چیز کہ اپنی حد سے تو تمہیں اپنی حفاظت سے باہر پہنچا دونگا۔ اور وہیں وارننگ دے رہا ہے کہ اس کے بعد محتاط رہنا۔ اس بیٹے کا نہیں وہ جو دشمن مار دیا ہے' وہ جو تم نے مار دیا تھا اس کا انتقام تم سے لے کے رہونگا اپنی حد سے باہر جا کر۔ یوں لوگ کہتے ہیں صاحب یہ چند سالوں میں اس قوم نے کر کیا دیا تھا۔ یہ ہوتی ہیں قوموں کی خصوصیات۔ ہر ایک کو یقین ہو کہ یہ ہے ان کے ہاں کا قانون۔ اور خدا نے جو کہا ہے وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ (6:34) یہ ہے اعتماد کی بات کہ خدا بھی اپنی بات کے خلاف نہیں کرے گا خدا کے یہ بندے کیوں کریں گے میرے خلاف یہ بات۔ آج انفرادی سطح پہ تو یہ کیفیت ہے اجتماعی سطح کے اوپر قوموں کو باہمی معاہدے کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا کہ کرتو آئے ہیں

پتہ نہیں اب وہ کیا کریں صاحب۔ چاٹتے رہیے معاہدے۔ روز معاہدوں کی جو مٹی پلید ہوتی ہے ہمارے سامنے ہے۔ پہلے تو ایک Language نئی ایجاد ہوئی ہے ابلیسی سیاست میں "Diplomatic Language"۔ بڑے بڑے ماہرِ فن ان کو بڑی بڑی تنخواہیں ملتی ہیں' کس کام کے لیے؟ ایسے الفاظ رکھے جائیں کہ اس وقت دستخط کرنے والا تو ان کے فریب میں آئے اور کل جو معنی ہم چاہیں وہ پہنا دیے جائیں۔ یہ جو ہوتا ہے نا کہ فیصلہ ہو گیا Drafting کر رہے ہیں' سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا بات ہے ''انگریزی نئیں اوندی ایناں نوں؟ اوہندی اچ لکھ دیو''۔ وہ ڈرافٹنگ یہ ہو رہا ہوتا ہے وہ جو لکھ لکھ کے کاٹے جاتے ہیں نا وہ یہ ہوتے ہیں کہ نہ اس کے تو یہ معنی یہی بنیں گے جب بھی لیے جائیں گے۔ جو بھی وہاں الفاظ میں پٹ گیا بس پٹ گیا۔ وعدہ خلافی ہوتی نہیں ہے اور نظر آجاتا ہے کہ صاحب کیا ہوگا۔ پہلی چیز تو یہ ہوتی ہے۔ بہر حال۔

قوموں کی موت وحیات کے سلسلہ میں خدا کے کئے وعدوں میں کبھی تبدیلی نہیں ہوگی:

تو کہا کہ یاد رکھو یہ ہمارا وعدہ ہے کہ ان قانون کے مطابق هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ۝ (10:56) موت اور حیات کے فیصلے ہمارے اس قانون کے مطابق ہوتے ہیں۔ اب رہی یہ بات کہ قانون کو واضح ہونا چاہیے قانون کو ایسا ہونا چاہیے کہ ہر ایک تک وہ پہنچ جائے۔ کہا اس کے لیے۔ اور عزیزانِ من! یہ عجیب حسنِ اتفاق ہے کہ آج رمضان کا پہلا درس آرہا ہے اور وہ آیت ہمارے سامنے آرہی ہے جو ٹھیک اس تقریب کے عین مطابق تھی۔ یہ رمضان المبارک کیا ہے؟ یہ اس کے بعد آخری دن یہ ایک جشن آتا ہے یہ جشن کیا ہے؟ اب تو ہمیں اتنا ہی پتہ ہے نا کہ اردو میں اسے میٹھی عید کہتے ہیں ''اسی وی سیویاں دی عید کہہ دینے آں'' یا بہر حال چھوٹی عید۔ بس۔ پوچھا جائے کہ یہ کیا ہے وہ کہتے ہیں عید ہے۔ ویسے عید کے تو معنی ہوتے ہیں ہر سال آنے والی چیز۔ یہ الگ بات ہے کہ عید جو آپ کے ہاں کی ہے وہ سال کے بعد آتی ہے ''ایہہ روزے یار ہیں مہینے ای آجاندے ہیگے''۔ ایک مہینہ پورا اس کے جشن کی تیاری کا عزیزانِ من! کتنا عجیب وہ تقریب عظیم ہوگی جس کی تیاری اس طرح سے ہو رہی ہے۔ کیا ہے وہ تقریب؟ کیوں اس کی ایسی شاندار تیاری ہو رہی ہے؟۔ یہی چیز ہے جو میں نے یہ کہا۔ کہا کہ واضح کر دیا ہم نے کہ یہ قوموں کی موت اور حیات کے فیصلے قانون کے تابع ہوتے ہیں۔ قانون یقیناً ایسا ہونا چاہیے کہ جو واضح طور پہ ہو اور قوموں کے سامنے آجائے۔ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ (10:57) پوری نوعِ انسانی سے کہا گیا ہے عزیزانِ من!۔ اس دور میں بھی عالمگیر' قیامت تک الناس آئیں گے ان سب کے لیے یہ اعلان۔ اس لیے قرآن کے لیے کوئی پیریڈ یا وقفہ مقرر نہیں ہے کہ یہ آؤٹ آف ڈیٹ ہو جائے گا کلینڈر نہیں ہے کہ جو بدل جائے گا۔ قیامت تک کے لیے نبوتِ محمد یہ ﷺ جاری ہے۔

لفظ وعظ کا مفہوم ہلاکتوں سے روکنے کے ہیں یعنی قلب ونگاہ کی نفسیاتی بیماریوں کو شفا بخشنے کے ہیں

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ (10:57) تمہارے نشوونما دینے والے کی طرف سے ایک ضابطۂ ہدایت آیا۔ مَّوْعِظَةٌ وعظ کہتے ہی اس چیز کو ہیں کہ جو ہلاکتوں سے روکنے والی شے ہو۔ وہ یہ نہیں ہے کہ ''ساڈے ہر وعظ دے بعد اتھے سر پھٹول ہوندی رہندی ہیگی اے'' فساد ہو جاتا ہے۔ روکتی ہے تخریبی چیزوں کو۔ نتیجہ کیا ہوتا ہے؟ وَشِفَآءٌ

لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ ۙ (10:57) اس ٹکڑے کے اوپر آؤں تو عزیزانِ من! کتنے درس چاہئیں مجھے۔ شفا ہے دل کی بیماریوں کی ۔قرآن کی عظمت ہے۔ بمشکل بات سمجھ میں آتی تھی اس سے پیشتر۔ قرآن نے کہا تھا نا کہ جوں جوں علم ترقی کرتا چلا جائے گا اس کے حقائق سامنے آتے چلے جائیں گے۔ ہمارے اس دور میں عزیزانِ من! اگرچہ علم النفس کی اصطلاح ہمارے ہاں تھی پہلے بھی' اس پہ کوئی تحقیق ابھی نہیں ہوئی تھی۔ سائیکولوجی ایک سائنس کی حیثیت ہمارے دور میں آ کے بن رہی ہے۔ اس سے پیشتر جتنی تحقیقات تھیں قوموں کی زندگی اور موت کے متعلق' وہ خارجی عناصر جو تھے ان کے متعلق ہوتی تھی: معاشی پہلو اس کا کیا ہے؟ سیاسی پالیسی کس قسم کی ہے؟ Geographical Conditions کیا ہیں؟ آب وہوا اس ملک کی کس قسم کی ہے؟۔ ان چیزوں کے متعلق فیصلے کیا کرتے تھے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہ سیاسی پالیسیاں کیا ہیں۔ اس دور میں آ کے اس نئی سائنس نے جس کو سائیکولوجی کہتے ہیں اس نے آ کے کہا ہے کہ یہ جتنی چیزیں تم گنا رہے ہو یہ تو محض خارجی چیزیں ہیں ذرائع ہیں اصل چیز کچھ اور ہے۔ اصل شے جو ہے جس کے اوپر فرد یا قوم کی زندگی اور موت کا دارومدار ہے وہ اس کا Psyche ہے اس کا نفس ہے اس کا وہ قلب کہہ لیجیے۔ اس کے اندر ایک چیز ہے اس کی تبدیلی سے ہر تبدیلی باہر کی رونما ہوتی ہے۔

دلوں کا روگ ہی قوموں کے زوال کا باعث بنتا ہے:

اسے روگ لگ جاتا ہے تو قوموں میں زوال آنا شروع ہو جاتا ہے' وہ مرجاتا ہے تو قوم تباہ ہو جاتی ہے۔ اسے تقویت رہتی ہے تقویت کے لیے توازن کا لفظ انہوں نے کہا' Balance جسے آپ کہتے ہیں۔ قرآن کا لفظ ہے یہ' اسی لیے اس نے میزان کہا ہے عزیزانِ من! توازن برقرار رکھنے والی شے۔ انہوں نے کہا ہے کہ توازن اس کا برقرار رہتا ہے فرد کی بھی زندگی قائم رہتی ہے سکون اور خوشگواریوں کی ہوتی ہے۔ قوموں کی زندگی بھی متوازن جب ہوتی ہے تو سکون و خوشگواریاں اور سرفرازیوں کی زندگی ہوتی ہے۔ فرد کا اگر توازن کھو جاتا ہے اعصابی بیماریوں کے اندر مبتلا ہو جاتا ہے۔ قوم جب ان چیزوں کے اندر آ جاتی ہے تو اس کے اندر ایک کشمکش شروع ہو جاتی ہے افراد کے اندر یا مختلف گروہوں اور پارٹیوں کے اندر۔ یہ کشمکش نشانی ہوتی ہے اس چیز کی کہ Psyche جو ہے قوم کا اس کا Balance بگڑ گیا ہے۔ جب بھی چلتے ہوئے انسان کا ذرا سا توازن بگڑتا ہے تو لڑکھڑا جاتا ہے نا وہ ۔ یہ جو قوموں کے اندر فساد برپا ہوتے ہیں معاشروں کے اندر وہ کہتے ہیں قوم کا Psychological Balance بگڑا ہوا ہوتا ہے۔ اس سے پیشتر تو انفرادی چیز تھی صرف' فرد کی سائیکولوجی ہوتی تھی۔ اب ان کے ہاں قوموں کو سائیکولوجی بھی ہے اس کے اوپر وہ چل رہے ہیں۔ اور یہ باقی جتنے بھی علوم اور سائنسز تھیں جنہوں نے اتنی اہمیت حاصل کی تھی۔ حتیٰ کہ اکنامکس کہ جسے ہمارے دور کے اندر اسے کہا ہی Age of Economics کہا جاتا ہے دورِ معاشیات۔ اتنی بڑی سائنس اتنی بڑی سیاست کھڑی ہوگئی اکنامکس کی بنیادوں کے اوپر' مارکس ازم کی بنیاد پہ۔ وہ کہا کہ قوموں کی موت وحیات کا معیار ہی اس کے اوپر ہے۔ انہوں نے سب کے پرخچے اڑا دیے کہنے لگے سب غلط ہے۔ یہ تو اندر ایک چیز ہے

میں اب سمجھا کہ دنیا کچھ نہیں دنیا میرا دل ہے
بدل جانے سے اس کے رنگ ہر ایک چیز کا بدلا

اسبابِ زوالِ انسانیت کے سلسلہ میں چودہ سو سال پیشتر قرآنِ حکیم کی تشخیص اور اس کا علاج:

قرآن چودہ سو سال پہلے کہہ گیا ہے اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِھِمْ ط (13:11) کسی قوم کی حالت میں تبدیلی نہیں آتی تاوقتیکہ اس کی Psyche کے اندر تبدیلی واقع نہ ہو۔ چودہ سو سال پیشتر عزیزانِ من! اعلان کر گیا ہے قرآن۔ کہا Psyche کا علاج ان چیزوں سے نہیں ہوگا بگڑا ہوا بیلنس اس طرح سے استوار نہیں ہوگا۔ وہ ان ہدایت کی رو سے ہوگا اس لیے اس کو کہا وَشِفَآءٌ لِّمَا فِی الصُّدُوْرِ ۙ (10:57) تمہاری نفسیاتی کشمکش جو ہے یہ اس کو دور کرنے والی چیز ہے۔ یہ ہے قرآن عزیزانِ من! چودہ سال پیشتر۔ میں نے عرض کیا ہے ابھی پچاس سال پہلے بھی یہ چیز ہے۔ یہ ہے قرآن عزیزانِ من! چودہ سال پیشتر۔ میں نے عرض کیا ہے ابھی پچاس سال پہلے بھی یہ چیز نہیں دیجاتی تھی۔ ھُوَ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ (10:56) سے بات شروع کر رہا ہے۔ قوموں کی موت وحیات کا ذکر چلا آ رہا ہے۔

خدائے علیم نے ایک فرد سے لے کر پوری انسانیت تک امراضِ قلب کا علاج قرآنِ حکیم ہمیشہ کے لئے پیش کر دیا ہے

قوموں کی موت وحیات کے فیصلے کس چیز سے ہوتے ہیں؟ یہ سینے کے امراض سے ہوتے ہیں۔ لفظ تو یہی ہے نا جو میں نے ابھی عرض کیا ہے' Psyche بگڑتا ہے توازن بگڑتا ہے۔ اس کا علاج کرتا ہے۔ فرد کا بھی وہ کرتا ہے جماعت کا بھی کرتا ہے قوم کا کرتا ہے عالمگیر انسانیت کا کرتا ہے اسی لیے یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ کہا ہے صاحب۔ ابھی تک سائیکولوجی قوموں تک انہوں نے پہنچائی ہے' وہ پوری نوعِ انسانی کی سائیکولوجی کے لیے کہتا ہے وَشِفَآءٌ لِّمَا فِی الصُّدُوْرِ (10:57) انسانیت کے بگڑے ہوئے توازن کو برقرار رکھنے والا۔ وَھُدًی وَّرَحْمَۃٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ (10:57) کہا اس کے اندر یہ سب کچھ ہے۔ لیکن اس شفا کی طرف لے جانے والا راستہ اس کی راہنمائی' پھر وہ سامان۔ اور سامان بھی یہاں عزیزانِ من! طبعی زندگی کے لیے جس سامان کی ضرورت ہے رزق نہیں یہاں کہا رحمت کہا ہے۔ رحمت اس لطافت والے سامان کو کہتے ہیں جو لطیف چیزوں کی نشوونما کرتا ہے۔ Psyche جیسی لطیف چیز جو ہے اس کے علاج کے لیے جو سامان دیتا ہے اسے رحمت کہہ کے پکارتا ہے۔ (وَھُدًی وَّرَحْمَۃٌ) (10:57) (یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ) (10:57) سے خطاب ہے۔

قرآنِ حکیم اپنے فلسفۂ حیات کو عقیدت کی۔۔۔ بجائے عقل وبصیرت اور دلیل وبراہین کی بنا پر پیش کرتا اور منواتا ہے

لیکن کہا کہ بہرحال اس سے فائدہ تو وہی اٹھا سکیں گے نا جو اس کی صداقت پہ یقین رکھیں گے۔ پہلی چیز تو Psyche کی تبدیلی میں یہ ضروری ہوتی ہے۔ اس کی صداقت پر یقین بھی وہ اندھی عقیدت کی رو سے نہیں منواتا کہ پہلے یہ چیز کر کے آؤ عقیدت کی بناء پہ پھر اس کی طرف آؤ۔ کہتا ہے بالکل نہیں۔ عقل وبصیرت کی رو سے علم وتدبر کی رو سے اسے چھان پھٹک لو۔ تم جب اس

یقین پہ پہنچ جاؤ کہ واقعی اس کے اندر میرے لیے شفاء ہے پھر آؤ اور اس کے بعد دیکھو یہ کیسے شفاء دیتا ہے۔ عزیزانِ من! علاج کی کامیابی کے لیے اولیں شرط یہ ہے کہ آپ کو ڈاکٹر یا طبیب کے اوپر اعتماد ہو۔ اور سائیکولوجی میں تو بات ہی اور ہے۔ Psycho Analysis جو ہوتا ہے تجزیہ نفس جو یہ کرتے ہیں۔ اب تو سائیکوتھراپی آ گئی ہے وہ علاج کرتے ہیں ان امراض کا ۔لیکن Psyco Analysis والا ہو یا اس کی یہ شکل جس کو ہپناٹزم کی آپ کہتے ہیں یہ سائیکولوجی کی ایک قسم ہے۔ یہ صرف ان کا ہوسکتا ہے جو صرف اس عقیدت کے ساتھ آئیں اس شخص کے پاس کہ ہمیں یقین ہے تمہارے اوپر۔ جو شخص بھی اس یقین کو ساتھ لے کے نہ آئے آپ حیران ہونگے Psycho Analysis تو بڑی تھوڑی سی چیز ہے ہپناٹزم میں بڑی قوت ہوتی ہے۔

پیر اسی وقت تک پیر کہلواتا ہے کہ جس وقت تک آپ اسے پیر تصور کریں:

یہ اس شخص کے اوپر ہپناٹزم قطعاً اثر نہیں کرتی جو یہ یقین لے کے آئے پتہ نہیں یہ ٹھیک کرے نہ کرے' مجھے عقیدت نہیں ہے اس کے اوپر' چلو میں دیکھ لیتا ہوں ۔ بالکل کچھ نہیں ہوتا ۔ بنیادی چیز یہ ہے وَشِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ ۙ (10:57) کے لیے کہ اس کی صداقت پہ ایمان ہونا چاہیے۔ اندھا ایمان نہیں۔ پہلی چیز یہ ہے۔ یہ جتنی آپ کے ہاں کی درگاہوں کی اور جتنی بھی یہ بڑی بڑی بارگاہیں ہیں ان کے ہاں سے جو اس قسم کے کچھ آپ اولادیں لے کے چلے آتے ہیں اور مرادیں لے کے چلے آتے ہیں۔ وہاں کچھ نہیں ہوتا عزیزانِ من! یہ آپ کی اپنی عقیدت ہے جو وہاں لے کے جاتی ہے۔ اور پھر آپ کو یاد ہے جو میں دہرایا کرتا ہوں اور جسے کہا کرتا ہوں پلے باندھ لو وہ پنجابی کا ''تت کڈ یا ہو یا جیہڑا'' یہ ہے ساری چیز جو اس نے چار لفظوں میں اس پنجابی محاورے نے ''تت کڈ دتا' پیر مندیاں نوں کھاندا اے''۔ پیر کو ماننا چھوڑ دیجیے ''پیر ای نئیں رہندا بندے دا پتر بن جاندا اے فیر''۔ ''پیر مندیاں نوں کھاندا اے''۔ بڑی عجیب چیز تھی جو کہہ گیا ہے۔ بات یہی ہے جو اس نے کہا ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ تمہیں جو پیر کی عقیدت کے اوپر ایمان لانے کے لیے کہا جاتا ہے تو اہم پرستی کی بناء پہ کہا جاتا ہے یہ کر دیتے ہیں وہ کر دیتے ہیں۔ تمہاری فکری قوتوں کے سوئچ کو آف کیا جاتا ہے عقیدت پیدا کی جاتی ہے۔ بڑی سطحی عقیدت یہ ہوتی ہے عزیزانِ من! قرآن کے الفاظ میں ایسا پودا جس کی جڑیں زمین کے اوپر اوپر ہی ہوں۔ یہ جو یقین ہوتا ہے جس کی جڑیں پاتال میں ہوتی ہیں قرآن کہتا ہے یہ وہ یقین ہے جو علم و بصیرت کی بنیاد کے اوپر یقین آپ کو آتا ہے۔ پھر دنیا کی کوئی قوت اس میں کسی قسم کی بھی لغزش نہیں پیدا کر سکتی۔

توہم پرستی ہمیشہ کم علمی اور جہالت کی پیداوار ہوتی ہے:

توہم پرستی کی عقیدت کی عمر کیا ہوتی ہے عزیزانِ من! آپ کی ایک مراد پوری نہ ہوگا لیاں دینے لگ جاتے ہیں۔

قندیل آسمانی کی شکل میں فکرِ انسانی کو جلا بخشنے والا

ایک ایسا تحفہ جو دنیا بھر کی دولت سے زیادہ قیمتی ہے

وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۵۷﴾ (10:57) کہا اے نوعِ انسانی! سوچو تو سہی کہ اس قسم کا اگر نسخہ کسی کو مل جائے اور

کیفیت پھر یہ ہو اس نسخے کی کہ ساری دنیا کے سیانے سمجھدار فکر والے جمع ہو جائیں۔ پہلے تھا نا چیلنج کہ اس کی مثل ایک سورۃ دس آیتیں بھی تم بنا نہیں سکتے کہ فکرِ انسانی کبھی اس قسم کا ضابطہ نہ دے سکے۔ ملے پھر کس طرح سے کہ انسان تو دے نہیں سکتا؟ قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ (10:58) یہ صرف اس کے فضل اور رحمت سے ہے یہ کہ اتنی بڑی گراں بہا چیز تمہیں مل رہی ہے۔ کہا تم محسوس نہیں کر رہے کہ یہ کتنی بڑی قیمتی شے ہے اتنی بڑی هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ (10:58) ساری دنیا کی دولت بھی اکٹھی کر لو اس سے بھی زیادہ قیمتی اور بہتر شے ہے۔ ملی اور ملی یوں مفت قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ (10:58)۔ کہا سوچو تو سہی کہ اس قسم کی وہ چیز ہو وَشِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ ۙ (10:57) موت اور حیات کا دارومدار جس کے اوپر ہو ایک پیسہ خرچ نہ کرو تم اس کو حاصل کرنے کے لیے۔ ایک صدری نسخہ حاصل کرنے کے لیے۔

خدائے علیم نے ماہ رمضان میں انسانیت کے شب و روز کی خاطر صراطِ مستقیم کی وضاحت کے لیے ایک مکمل ضابطۂ حیات عطا کر دیا:

عزیزانِ من! کسی طبیبوں کے خاندان کا پوچھو نہیں کتنا کچھ دینے کے لیے انسان تیار ہو جاتا ہے۔ کہتا ہے پوری کی پوری ؟؟ تمہیں مل رہی ہے یہاں۔ ایک پیسہ خرچ نہیں کیا الناس! تم نے۔ کہیں سے مل نہیں سکتی تھی فکرِ انسانی عاجز تھا۔ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ (10:58) کہا بتاؤ بیمار کو اگر اس قسم کا نسخہ مل جائے اور مل جائے مفت' کیا یہ تقریب ایسی نہیں ہے کہ اس کے اوپر وہ جشنِ مسرت منائے۔ فَلْيَفْرَحُوْا (10:58) او جشنِ مسرت مناؤ اس کے ملنے کے اوپر۔ یہ ہے عید عزیزانِ من!۔ کسی اور تقریب کے متعلق قرآن نے یہ نہیں کہا۔ یہ رمضان ہے کیا؟ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ (2:185) ایک ہی خصوصیت ہے اس رمضان کی جو بتائی۔ او بابا رمضان پوچھتو ہو کہ یہ کیا ہے رمضان؟ او بھئی اس میں قرآن نازل ہوا۔ آہا ہا۔ دو لفظوں میں بات کہہ گیا 'او اس میں قرآن نازل ہوا'۔ بھئی قرآن نازل ہوا وہ کیا ہے؟ کہا قرآن: وَشِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ ۙ ... مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ ... وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ (10:57) هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ (10:58) اور وہ قرآن شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ (2:185) یہ ہے رمضان جس میں قرآن نازل ہوا اس میں یہ پروگرام دیا۔

اس متاعِ حیات مل جانے پر جشن منانے کا حکم:

پروگرام کی بات تو پھر اور کرونگا۔ کہا کہو ہے اس قابل کہ نہیں کہ اس کا جشن منایا جائے۔ فَلْيَفْرَحُوْا (10:58) دنیا کی ہر قوم کوئی نہ کوئی تہوار مناتی ہے عزیزانِ من! تہوار منانے کے ان کے ہاں دیکھئے تقاریب کیا ہوتی ہیں۔ آرین قوم ہمارے ہاں زراعت پیشہ قوم تھی موسموں کی تبدیلی کے اوپر ان کے ہاں تہوار آتے تھے ہولی آتی تھی اور لوری آتی تھی اور بسنت آتی تھی اور یہ آتے تھے۔ کسی بڑے انسان کی موت یا اس کی پیدائش کے تہوار کہیں آتے تھے' کوئی بڑا واقعہ کہیں کوئی لڑائی فتح ہوئی تھی اس کی تقریب میں کوئی تہوار آتا تھا۔ بڑی وقتی اور ہنگامی چیزیں تھیں۔ یہ قوم جب آئی ہے دنیا میں جسے ہم

جماعتِ مؤمنین کہتے ہیں ان کے ذمہ تو کائنات کے گیسوؤں کو سنوارنے کا اتنا عظیم فریضہ دیا گیا تھا انہیں فرصت کہاں تھی کہ یہ تہوار مناتے۔ اتنا بڑا پروگرام ان کے لیے تھا لیکن اس کے باوجود تہوار جشن وتقریب کی ضرورت تو ہوتی ہے انسان کے لطیف جذبات کی تسکین بھی بڑی ضروری ہے۔ اس کی زندگی کی گاڑی خالی پٹرول سے نہیں چلتی موبل آئل اس میں ہونا چاہیے۔ لیکن قرآن نے اگر کوئی ایک تقریب کے لیے کہا ہے تو وہ یہ نہیں' نہ موسموں کی تبدیلی نہ مشاہیر میں کسی کا جنم یا موت کا دن نہ کوئی بڑی لڑائی کا فتح کرنے کی یادگار' کچھ نہیں۔ ایک ایسا نسخہ ملنے کی تقریب کہ جو وَشِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ ۙ (10:57) زندگی بخشنے والا جو ہے۔ اومرنے والے تیری زندگی کے سامان لے کے میں آ گیا۔ کہو کہ یہ مرنے والا جس کو زندگی مل جائے گی باقی عمر میں اس دن منائے گا یا نہیں یہ تقریب؟ فَلْيَفْرَحُوْا (10:58) جشنِ مسرت مناؤ اس کے اوپر۔

جشنِ نزولِ قرآن کے لئے ایک ماہ کی تیاری کا پروگرام:

یہ ایک ہی حکم ہے جشن منانے کا۔ یہ ہے عزیزانِ من! جسے عید کہا جاتا ہے اور یہ ہے جو اس کی تیاریوں کا مہینہ ہے۔ اتنا بڑا جشن اس کی تیاریوں کے لیے خاصا وقت چاہیے تھا۔ لیکن جیسا جشن عام دنیا کے جشنوں سے نرالا یعنی اس کی تقریب' اسی طرح سے اس کے منانے کی تیاریوں کا پروگرام بھی دنیا سے انوکھا۔ کامل تطہیرِ فکر ونظر' قوم میں صحیح Discipline پیدا کرنے کا پروگرام' جذبۂ جہاد کے لیے ایک Refresher Course ۔ وہ Reservest سال کے بعد ایک مہینے میں جاتے ہیں ٹریننگ کی مشق کرنے کے لیے۔ یہ بھوک اور پیاس کیا ہے؟ جنگ میں جانے والے سپاہی کے لیے ایک خوگر بنانے کی بات ہے نا۔ پوری قوم کو اس کے لیے مجاہد تیار کرنا تھا۔ تیاریاں اس انداز سے ہو رہی ہیں۔ پھر یہ جو چیز ہے پتہ نہیں بعد میں کب یہ آئی ہے یہ جو سارے کا سارا قرآن دہرانا ہے۔ اب تو میں نے عرض کیا ہے کہ یہ قرآن بھی یہ ثواب کے لیے روزہ بھی ثواب کے لیے وہ رات کی تراویحاں بھی ثواب کے لیے اس کے اندر قرآن کا دہرانا بھی ثواب کے لیے۔ ایک موہوم عقیدت۔ ورنہ یہ بھی میں کہہ رہا ہوں کہ جنہوں نے بھی یہ چیز ایجاد کی ہے مجھے اس سے غرض نہیں کہ کب یہ شروع ہوئی ہے نبی اکرم ﷺ نے شروع کیا یا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے زمانے میں ہوئی۔ بات تو یہ تھی کہ یہ پورا قرآن جو تھا وہ سارے کا سارا سامنے لایا جاتا۔ یوں تو سارا سال ان کے سامنے یہ ہوتا تھا۔ ابھی کل کی بات عزیزانِ من! میں کیا عرض کروں کہ ہمارا تو بچپن ابھی اس ماحول میں گذرا ہے جب بھی جاگ کھلی گھر کے اندر سے وہ جیسے حضرتِ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا تھا کہ شہد کی مکھیوں کی بھنبھنانے کی طرح قرآن کی آوازیں۔ جب بھی گھر میں آنکھ کھلی قرآن کے گنگنانے کی آوازیں کان میں پڑتی تھیں۔ لیکن وہ قرآن تو جو انہوں نے گنگنایا تھا اس میں تو ایک تو زبان ان کی تھی پھر وہ تو اس کو سمجھتے تھے سال بھر اس کی تلاوت ہوتی تھی ہر ایک کے ہاتھ میں یہ ہوتا تھا ہر جگہ اپنے ہاتھ میں ہوتا تھا۔

ماؤزے تنگ کی کتاب سے اہلِ چین کا سلوک:

آج ہم عش عش کرتے ہیں کہ صاحب وہ لال کتاب جو ہے ماؤزے تنگ کی دیکھئے ہر چینی کی بغل میں ہوتی ہے۔ جب کوئی

مسئلہ آتا ہے پرابلم آتی ہے یہ ہے وہ چیز۔ وہ قوم زندہ رہے گی جب تک اگر اس قانون کے اندر ان میں ہے جان ایسی کہ جب کوئی پرابلم آتی ہے وہ بیٹھ جاتے ہیں اس پہ۔ یہ اس لیے ہر ایک کے پاس ہر جگہ ہوتا تھا کہ جب کوئی پرابلم آئے اس کو کھول کو دیکھے کہ یہ کیا کہتا ہے۔ (ھدًی) زندگی کے ہر دوراہے کے اوپر بتائے گا کدھر جانا چاہیے تمہیں سال بھر یہ۔ ایک مہینہ تیاری کا اس میں یہ سارے کا سارا پورے کا پورا کورس سامنے دہرا دیا گیا صاحب یہ۔ فکر و نظر کی تطہیر' جسم و جان کے اندر وہ توانائیاں جو مجاہد کو ایک سپاہی کو چاہئیں' مہینہ بھر کے لیے یہ کورس Revise کر دیا گیا۔ اور اس طرح سے نئے سرے سے اس قوم کو تیار کر کے اور وہاں بٹھا دیا گیا' کاہے کے لیے؟ ٹھیک ہے اس کے ملنے کے اوپر سجدۂ شکر بھی بجالاؤ اور پھر باہمی مشاورت سے نمائندے تیار کرو اس عظیم اجتماع کے لیے جو ڈھائی ماہ کے بعد وہاں مکہ میں ہونے والا ہے تمہارا' اس مرکز میں بھیجنے کے لیے انتخاب کرو۔ یہ انتخاب تھا عزیزانِ من! جو اس پروگرام کے بعد ہوتا تھا۔ اس طرح سے تطہیرِ فکر و نظر لیے ہوئے قوم کا انتخاب جو ہوتا تھا آپ سوچ سکتے ہیں کیا انتخاب وہ نہیں ہوگا۔ وہ اجتماع جو تھا یہ تھا عزیزانِ من! یہ ہے وہ چیز جو اقبالؒ کہہ گیا ہے کہ

عیدِ آزاداں شکوہِ ملک و دیں

دو لفظ یہ کہہ جاتا ہے صاحب کیا بات ہے!!! عیدِ آزاداں شکوہِ ملک و دیں۔ ہر عید کے بعد ان کی مملکت میں ان کے دین کے نظام میں تازہ شکوہ پیدا ہوتا تھا۔

عیدِ محکوماں ہجومِ مؤمنین

علامہ اقبال آج کی عید کو تو ہجومِ مومنین کے نام سے پکارتا ہے:

یہاں مؤمنین کا لفظ بھی عجیب لایا ہے یہ شخص' ہجومِ مومن۔ اب تو وہ ہجوم بھی نہیں رہتا ہے۔ اس بچپن کے ہجوم میں بھی ایک طبعی خوشی تو ہوتی تھی۔ ہم بچوں کو نئے کپڑے ملتے تھے نیا جوتا ملتا تھا۔ اس دن اتنے پیسے ملتے تھے کہ شام کو جن کا حساب نہیں دینا پڑتا تھا کہ کہاں خرچ کیے۔ ورنہ روز کے پیسے کا تو بتانا پڑتا تھا'' کی لیا سی پیسے دا''۔ بغیرِ حساب رزق ملتا تھا اس دن عزیزانِ من! عیدگاہ میں جاتے تھے تو کم از کم ایک دن تو دیکھتے تھے کہ قوم میں ہر ایک کو نئے کپڑے پہنے ہوئے دیکھتے تھے کوئی پھٹے کپڑے والا نہیں ہوتا تھا کوئی پرانے کپڑے والا وہاں نہیں ہوتا تھا۔ اتنی خوشی ہوتی تھی' ہر گھر میں سویاں پکتی تھیں' ہر گھر سے خوشی کی آواز آتی تھی گئے گذرے دور میں بھی عزیزانِ من!۔ اب اس ہجومِ مؤمنین کو عید کے دن جا کے دیکھ لیجیے گا اسی نوے فیصد تو وہ ہوتا ہے جن کو نیا کپڑا ابھی اس دن نصیب نہیں ہوتا۔ اور اب تو شاید پرانے بھی باقی نہ رہے ہوں۔ ہجومِ مؤمنین میں بھی ہم یہاں آ گئے۔ اور عیدِ آزاداں شکوہِ ملک و دیں۔ عزیزانِ من! یہ تھا یہ تیاری کا مہینہ رمضان کا۔ میں نے کہا تھا کہ یہ حسنِ اتفاق ہے کہ یہ پہلے ہی درس میں یہ آیت سامنے آ گئی اور یہ ہے جس کو آپ عید کہتے ہیں۔ سورۃ یونس کی آیت 58 تک ہم آ گئے 59 سے ہم آئندہ لیں گے۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ (2:127)

خورشید انور، سوات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بیادِ علامہ پرویز علیہ الرحمۃ

25 فروری 2024 کو بزمہائے طلوع اسلام سوات کے زیر انتظام، مفکر قرآن علامہ غلام احمد پرویز علیہ رحمہ کے یوم وفات پر ان کی بے شمار گرانقدر خدمات کو اجاگر کرنے اور انہیں خراج عقیدت پیش کرنے کی غرض سے ایک تقریب منعقد کی گئی۔ تقریب میں حلقہ احباب طلوع اسلام کی ایک کثیر تعداد نے شرکت کی۔ منتظمین میں نمائندہ بزم طلوع اسلام علیگرامہ اقلیم خان صاحب پیش پیش رہے۔

اجلاس میں ضلع سوات کے ایک معروف ڈاکٹر اور نمایاں سماجی شخصیت ڈاکٹر جواد احمد صاحب بحیثیت مہمان خصوصی اور سابق نمائندہ بزم طلوع اسلام سوات، وسابق ناظم ادارہ طلوع اسلام لاہور اقبال ادریس خان ایڈووکیٹ بحیثیت صدر محفل شریک فرما تھے۔

سٹیج سیکرٹری کے فرائض نمائندہ بزم طلوع اسلام مینگورہ ارشد علی خان ایڈووکیٹ نے ادا کئے۔

تقریب کا باقاعدہ آغاز تلاوت قرآن کریم سے کیا گیا۔ دلدار یوسفزئی نے تلاوت قرآن کریم اور پشتو مفہوم بیان کرنے کا شرف حاصل کیا۔ اسکے بعد ارشد علی ایڈووکیٹ نے شرکاء کو خوش آمدید کہتے ہوئے ان کا شکریہ ادا کیا۔ انہوں نے انعقادِ تقریب کے مقاصد بیان کرتے ہوئے علامہ پرویز کی زندگی اور خدمات پر تفصیلی روشنی ڈالی۔

بعد میں انہوں نے دلدار یوسفزئی کو دوبارہ دعوت دی کہ وہ آئیں اور جو کام اس نے اور عمران خان نے علامہ پرویز کے دروس القرآن کو پشتو زبان میں آڈیو بک کی صورت میں منتقل کرنے کا شروع کیا ہوا ہے اس سے سامعین کو آگاہ کریں۔

تقریب سے عمران خان نمائندہ بزم طلوع اسلام فتحپور، عثمان علی خان ایڈووکیٹ، مہمان خصوصی ڈاکٹر جواد احمد صاحب اور صدر محفل اقبال ادریس خان ایڈووکیٹ نے بھی خطاب کیا۔

چیئرمین ادارہ نے، اپنے خطاب میں، تقریب میں شریک تمام احباب کا دل کی اتھاہ گہرائیوں سے شکریہ ادا کیا، اور پشتو زبان میں فی البدیہہ تقریر کی۔ جس کا کم وبیش اردو ترجمہ مندرجہ ذیل مقالہ کی صورت میں بمعہ تصویری جھلکیاں شیئر کیا جارہا ہے، اگلے صفحات پر ملاحظہ فرمائیں:

تقاریب بیادِ پرویز علیہ الرحمہ 2024

زیرِ اہتمام: بزم ہائے طلوعِ اسلام سوات

منعقدہ مورخہ 25 فروری 2024ء

اسٹیج پر موجود مہمانان (دائیں سے بائیں) ارشد علی ایڈووکیٹ، ڈاکٹر جواد احمد، خورشید انور (چیئرمین ادارہ) اور اقبال ادریس خان ایڈووکیٹ

خورشید انور (چیئرمین ادارہ)

ڈاکٹر جواد احمد

ارشد علی ایڈووکیٹ (نمائندہ بزم منگورہ سوات)

اقبال ادریس خان ایڈووکیٹ

عمران خان (نمائندہ بزم فتحپور سوات)

دلدار خان یوسفزئی

عثمان علی ایڈووکیٹ

نوید علی

سماعت گاہ کے مناظر

حاضرینِ مجلس کے مناظر

زیرِ اہتمام: بزمِ طلوعِ اسلام لاہور

محمد عمر (وائس چیئرمین ادارہ)

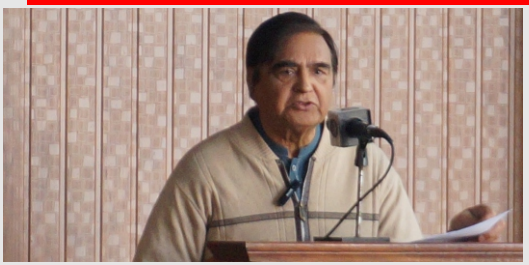

آصف جلیل (نمائندہ بزمِ کراچی)

جعفر حسین (ٹرسٹی طلوعِ اسلام ٹرسٹ)

سماعت گاہ کا ایک منظر

شکیل مغل، لاہور

مسرت چغتائی (دختر مصورِ پاکستان عبدالرحمٰن چغتائی)

زیرِ اہتمام: بزمِ طلوعِ اسلام راولپنڈی

ڈاکٹر انعام الحق، ملک سلیم ایڈووکیٹ، عابد حسین و دیگر

زیرِ اہتمام: بزم طلوعِ اسلام ملیر سٹی کراچی

سہیل اصغر (قائم مقام نمائندہ ملیر سٹی کراچی)

لیاقت علی اللہ لوک — محمد ریاض خان

مشرف اللہ — محمد ارشد

مقصود احمد — فضل دین

زیرِ اہتمام: بزم ہائے فیصل آباد

عقیل حیدر و دیگر شرکائے مجلس

حاضرینِ مجلس کے مناظر

ملک و ملت کے ایک عظیم محسن
علامہ پرویز علیہ الرحمۃ کی یاد میں

اس بات میں کوئی شبہ نہیں کہ بانیان پاکستان نے ایک علیحدہ مملکت کا مطالبہ، قرآن کریم کے عطا فرمودہ دوقومی نظریہ کی بنیاد پر کیا تھا۔ اور قوم پر واضح کیا تھا کہ اسلام مذہب نہیں دین ہے اور ایک علیحدہ مملکت کا متقاضی۔ جہاں پر دین کے احکام کو عملاً نافذ کیا جا سکے اور جہاں پر اقتدار اعلیٰ، اللہ تعالیٰ کے لئے مخصوص ہو۔ برصغیر کے مسلمانوں نے قائدین کی اس دعوت پر لبیک کہا اور ان پر بھرپور اعتماد کرتے ہوئے تحریک پاکستان میں شامل ہوئے اور اس طرح پاکستان وجود میں آ گیا۔ مگر بدقسمتی سے علامہ اقبال علیہ الرحمۃ جس نے اسلام کو بحیثیت دین یعنی نظام حکومت اور ایک علیحدہ مملکت میں نافذ کرنے کا تصور پیش کیا تھا، پاکستان بننے سے 9 سال پہلے وفات پا گئے، اور قائداعظم جو اس مملکت کو قرآنی نظام کے نفاذ کے لئے ایک تجربہ گاہ کے طور پر استعمال کرنا، اور دنیا کو اس عظیم نظام کے انسانیت ساز نتائج سے روشناس کرانا چاہتے تھے، پاکستان بننے کے بعد صرف ایک سال تک زندہ رہے۔

علامہ پرویز جو تحریک پاکستان کے مخالف علماء کے مدمقابل علمی جنگ قرآنِ کریم اور اسوہ رسول ﷺ کی روشنی میں لڑ کر جیت چکے تھے، سرکاری ملازمت میں تھے۔ اس صورتحال سے فائدہ اٹھاتے ہوئے تحریک پاکستان کے مخالف اور قرآنی نظام ربوبیت سے خائف، گروہ مترفین نے اقتدار پر قبضہ جما کر ملک و قوم کو اصل مقصد سے دور ہٹا دیا۔ انہوں نے ہر ممکن کوشش کی کہ تحریک پاکستان کی صحیح تاریخ قوم کے سامنے نہ آنے پائے۔

چنانچہ مفاد پرست حکمران ان معاملات سے لاتعلق اور لاپرواہو کر اقتدار کے مزے لوٹتے رہے اور تحریک پاکستان کے مخالفین، قوم کے خیرخواہ بن کر، تاریخ کو مسخ کرتے ہوئے سرسید احمد خان اور علامہ پرویز جیسے محسنینِ قوم کو مخالفینِ اسلام، اور تحریک پاکستان کے مخالف علماء کو قوم کے محسنین کے طور پر پیش کرتے رہے۔

آج کا یہ پروگرام چونکہ علامہ پرویز علیہ رحمہ کے یوم وفات کے سلسلے میں منعقد کیا گیا ہے۔ لہذا میں اسی مناسبت سے ان کی گرانقدر خدمات پر مختصر سی روشنی ڈالنا چاہتا ہوں۔

علامہ پرویز 9 جولائی 1903ء کو مشرقی پنجاب کے ضلع گرداس پور کے شہر بٹالہ میں پیدا ہوئے۔ ان کی ابتدائی تعلیم و

تربیت ان کے دادا حکیم رحیم بخش نے کی۔ جو اپنے وقت کے ایک جید عالم، تصوف کے چشتیہ سلسلے کے ایک مشہور صوفی بزرگ، ایک معروف حکیم (طبیب) اور سنسکرت زبان کے عالم تھے۔ 1921ء میں مزید تعلیم حاصل کرنے کے سلسلہ میں لاہور آئے۔ دادا کی ہدایت کے مطابق علامہ اقبال علیہ رحمہ سے پہلی ملاقات کی اور پھر ملاقاتوں کا یہ سلسلہ جاری رہا۔ BA کرنے کے بعد کمیشن کا امتحان پاس کر کے 1927 میں حکومت ہند کے مرکزی سیکرٹریٹ ہوم ڈیپارٹمنٹ کے اسٹیبلشمنٹ ڈویژن میں تعینات ہوئے۔ 1955 میں ملازمت سے قبل از وقت ریٹائرڈ ہوئے، اور باقیماندہ پوری زندگی قرآنی مشن کے لیے وقف کر دی۔

علامہ پرویز نے 1928ء میں اپنے قلمی سفر کا آغاز کیا، اس وقت وہ مختلف موضوعات پر مضامین لکھتے رہے، جو مختلف رسائل و جرائد میں شائع ہوتے رہتے تھے، جیسے دارالمصنفین، ماہنامہ معارف اعظم گڑھ، وغیرہ۔ ان رسالوں میں ان کے مضامین شائع ہونے سے انہیں کافی شہرت ملی۔

جب 1932 میں مولانا ابوالکلام آزاد صاحب کی تفسیر کی پہلی جلد "ترجمان القرآن" شائع ہوئی تو انہوں نے سورہ فاتحہ کی تفسیر میں اپنے خیالات کی واضح ترجمانی کرتے ہوئے لکھا تھا کہ عالمگیر سچائیاں تمام مذاہب میں یکساں ہیں۔ اگر ہر مذہب کے پیروکار اپنے مذہب کی صداقتوں کی طرف پلٹ آئے تو اسلام کا منشاء پورا ہو گیا۔ ہندوؤں نے اس حصے کا مختلف زبانوں میں ترجمہ کیا اور پورے ہندوستان میں پھیلایا۔

علامہ پرویز کی بصیرتِ قرآنی نے بھانپ لیا کہ یہ نظریہ تو اسلام کو جڑ و بنیاد سے اکھیڑ دینے کے مترادف ہے، کیونکہ یہ برھمو سماج کی تعلیم تو ہو سکتی ہے لیکن قرآن کی نہیں۔ علامہ پرویز نے اس نظریے کے رد میں ایک تفصیلی مضمون لکھا جو 1933 میں ماہنامہ معارف (اعظم گڑھ) میں شائع ہوا۔

مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم اس وقت زبان و بیان کا بادشاہ اور علم کا سمندر سمجھا جاتا تھا۔ ان کے نظریئے پر تنقید اور وہ بھی ایک غیر مولوی کی زبان سے، کسی کے وہم و خیال میں بھی نہیں آ سکتا تھا۔ لیکن یہ علامہ پرویز کا جذبہ ایمانی تھا جس نے اسے ایسی مقبول شخصیت کے نظریات پر علمی تنقید شائع کرنے پر مجبور کیا۔

1926 میں ایک مسلمان خاتون نے ریاست بہاولپور کی ایک عدالت میں مقدمہ دائر کیا کہ میرا شوہر قادیانی مذہب اختیار کر کے مرتد ہو گیا ہے۔ لہٰذا اس شخص کے ساتھ مدعی کا نکاح فسخ کیا جائے۔ بہاولنگر کے ڈسٹرکٹ جج محمد اکبر مرحوم نے فیصلہ کی سماعت کی۔ یہ فیصلہ 9 سال تک جاری رہا۔ دوران سماعت ہندوستان کے سرکردہ علماء کرام بھی مدعیہ کی طرف سے پیش ہوتے رہے، لیکن کیس طوالت اختیار کرتا گیا اور آخر کار اس مقدمے کا فیصلہ علامہ پرویز کے ایک مضمون ''میکانکی اسلام'' میں ضمنی بیان کردہ نبی کی تعریف پر 7 فروری 1935 کو فیصلہ سنایا گیا۔ قادیانیوں کو عدالتی سطح پر غیر مسلم قرار دینے کی علمی بنیاد فراہم کرنے کا اعزاز بھی علامہ پرویز کے حصے میں آیا۔ یہ فیصلہ مقدمہ بہاولپور نامی کتاب میں تفصیلاً موجود ہے۔

جب علامہ اقبال علیہ رحمہ نے 1930 میں الہ آباد کے مقام پر مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس میں اپنے صدارتی خطبہ میں مسلمانانِ ہند کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا، کہ اسلام مذہب نہیں دین ہے اور ایک علیحدہ آزاد مملکت کا متقاضی۔ جہاں پر مسلمان قرآنی اصول و اقدار کے مطابق زندگی گزار سکیں۔ اس مملکت کے قیام سے اسلام کو اس امر کا موقع ملے گا کہ وہ ان اثرات سے آزاد ہو کر جو عربی ملوکیت کی وجہ سے اب تک اس پر قائم ہیں، اس جمود کو توڑ ڈالے، جو اس کی تہذیب و تمدن، شریعت اور تعلیم پر صدیوں سے طاری ہے، اس سے نہ صرف اس کی صحیح معنوں میں تجدید ہو سکے گی بلکہ وہ زمانہ حال کی روح سے بھی قریب تر ہو جائے گی۔

یہ خطاب بقول علامہ پرویز، ان کے دل کی آواز اور ان کے ایمان کا تقاضا تھا، اس لئے باوجود سرکاری ملازمت کے اس تحریک کے ہراوّل دستے میں شامل رہے۔

ہندوستان کے علماء کی اکثریت شروع دن ہی سے تحریک پاکستان کے خلاف تھی، مگر ان کے مدمقابل علامہ اقبال علیہ رحمہ ایک چٹان کی طرح موجود تھے۔ جب وہ بیمار ہو کر بستر مرگ پر تھے تو انکے ایماء پر قائداعظم نے اپنے قیام شملہ کے دوران علامہ پرویز کو بلایا، اور بتایا کہ سیاسی محاذ پر تو وہ خود جنگ لڑ رہے ہیں مگر یہ جو قال اللہ اور قال رسول کے نام پر تحریک پاکستان کی مخالفت ہو رہی ہے یہ محاذ آپ سنبھال لیں۔ علامہ پرویز نے ہامی بھر لی، اور اسی مقصد کے لئے قائداعظم کی ہدایت پر ماہنامہ طلوع اسلام کا انتظام مئی 1938 میں کیا گیا۔

علامہ پرویزؒ نے اپنے زورِ قلم سے اس حقیقت کی بھرپور وکالت کی کہ ایک آزاد مسلم ریاست کا قیام محض ایک سیاسی نعرہ نہیں بلکہ قرآن کریم کے رو سے خالصتاً ایک دینی تقاضا ہے۔ وہ اپنی شبانہ روز محنت سے اس مجوزہ مملکت اور اس کے قیام کی اہمیت کو اللہ اور اس کے آخری رسول ﷺ کے ارشادات کی روشنی میں قوم کے سامنے پیش کرتے رہے۔ علامہ پرویز تحریک پاکستان کے دوران کم و بیش دس سال تک قائداعظم محمد علی جناح کے دینی مشیر بھی رہے۔

جب 1946 میں مسلم اکثریت کے صوبہ سرحد میں، پاکستان میں شمولیت یا عدم شمولیت کے سوال پر ریفرنڈم کرانا طے پا گیا تو علامہ پرویز، صوبہ سرحد میں تشریف لے گئے اور اُس وقت کے سرحد مسلم لیگ کے صوبائی صدر خان بخت جمال خان اور اُن کے رفقاء کی معاونت سے سرحد کے مسلم عوام کا فیصلہ کُن ووٹ پاکستان کے حق میں ڈلوانے میں کامیاب ہوئے۔

پاکستان بنتے وقت قائداعظم اپنی گوں ناگوں مصروفیات کے باوجود حصول پاکستان کے اصل مقصد کی طرف بڑھنا چاہتے تھے، اس لئے انہوں نے علامہ پرویز کو لکھا کہ نئے سیکرٹریٹ کے لئے ان افراد کے نام تجویز کریں جو مستقبل میں اس ملک اور اس کے حصول مقصد کے لئے مفید ثابت ہوں۔

مگر عین اس وقت ایک منظم سازش کے تحت ہندوستان سے پاکستان ہجرت کرنے والے مسلمانوں کے قافلوں پر، حملوں، لوٹ مار، قتل و غارت، خواتین کی بے حرمتی جیسے انسانیت سوز مظالم کا نہ رکنے والا سلسلہ شروع کر دیا گیا۔ جس کی وجہ سے قائداعظم کی ساری توجہ اس طرف منتقل ہو گئی۔ اگرچہ وہ وقتاً فوقتاً حصول پاکستان کے اصل مقصد یعنی قرآنی نظام کے قیام

کے لئے اپنے عزم کو دہراتے رہے۔لیکن قائداعظم کی وہی جان لیوا بیماری جس کو انہوں نے تحریک پاکستان کے دوران کسی پر ظاہر نہیں کیا تھا، بڑھتی گئی اور صرف ایک سال زندہ رہنے کے بعد اس جہان فانی سے رخصت ہوئے۔اور اقتدار پر وہ لوگ براجمان ہوئے، جو تحریک پاکستان کے بھی مخالف رہے تھے اور جو دراصل قرآنی نظام کے قیام سے خوفزدہ تھے۔

علامہ پرویز چونکہ پہلے کی طرح سرکاری ملازمت میں تھے وہ ارباب اختیار کو ان کی ذمہ داریوں سے قرآنی ہدایات و تنذیرات اور بانیان پاکستان کے اپنے رب اور قوم سے کئے گئے وعدوں سے اور وعدہ خلافی کے نتائج سے آگاہ کرتے رہے۔مگر ان کی پکار پر کسی نے توجہ نہیں دی۔ بلکہ الٹا اس گروہ مترفین نے ان کے خلاف کفر کے فتوے داغے اور طرح طرح کے الزامات لگا کر بھرپور مخالفانہ مہم چلائی۔تاکہ قرآن خالص کی یہ ایک آواز بھی کسی کے کانوں تک نہ پہنچ پائے۔علامہ پرویز کو ان گمراہ کن پروپیگنڈوں کے زور پر اتنا بدنام کیا گیا کہ لوگ اس کا نام لینے سے بھی گھبراتے۔مگر انہوں نے ان تمام رکاوٹوں سے بے نیاز ہوکر اپنا تحقیقی کام جاری رکھا۔اور بحر قرآن سے وہ موتی و جواہر اکھٹے کئے کہ اگر انسانیت اس کی مالا پرو کر اپنے گلے میں ڈال دے تو منزل کی طرف جانے کی ضرورت ہی نہیں پڑے گی بلکہ منزل ایک جست میں انسانیت کے قدموں کا بوسہ لینے کے لئے خود حاضر ہوگی۔

علامہ پرویز نے زندگی کے ہر شعبے کے متعلق قرآنی ہدایات جمع کر کے ایک اسلامی مملکت کے لئے درکار مواد سے زیادہ کا ذخیرہ اپنی تحریروں اور دروس القرآن کی صورت میں فراہم کیا۔

اس کے علاوہ انہوں نے ابلاغ قرآن کے لئے ادارہ طلوع اسلام قائم کیا اور قرآنی نظام کے قیام کے لئے تحریک طلوع اسلام کی بنیاد رکھی۔اور پاکستان کے طول وعرض اور بیرون ملک مقامی سطح پر بزمہائے طلوع اسلام کا قیام عمل میں لائے۔

علامہ پرویز شروع دن ہی سے ارباب اختیار کی توجہ نوجوان نسل کی معیاری تعلیم وتربیت کی طرف دلاتے رہے، مگر سننے والا کون تھا؟ جب ان کی یہ پکار صدا بصحرا ثابت ہوئی تو انہوں نے ایک کالج کے قیام کا فیصلہ کیا اور واضح کیا کہ پھر اس میں بتدریج اوپر یونیورسٹی لیول تک اور نیچے نرسری لیول تک توسیع کی جائے گی۔ ہاسٹل بھی ساتھ ہوگا اور قرآنک ایجوکیشن سوسائٹی بھی بنائی جائے گی۔تاکہ طلباء کی صحیح تعلیم اور اخلاقی تربیت، قرآنی تعلیمات اور عصر حاضر کے تقاضوں کے مطابق کی جاسکے۔احباب کے تعاون سے گروہ مترفین کی مخالفت اور ہتھکنڈوں کے باوجود زمین خریدی گئی اور تعمیر کے لئے قانونی اجازت حاصل کرنے کا آغاز کیا گیا۔کہ اسی دوران حکومتِ وقت نے پرائیویٹ تعلیمی اداروں پر پابندی لگادی۔اور علامہ پرویز علیہ رحمہ کی یہ دلی آرزو اور عظیم مقصد، حقیقت کا روپ نہ دھار سکے۔تاہم انہوں نے ایک طرف تحریر وتقریر کے ذریعے ابلاغ قرآن کا سلسلہ جاری رکھا۔تو دوسری طرف ارباب اختیار کو ان کی ذمہ داریوں کی یاددہانی کراتے رہے اور مزید غفلت کی صورت میں تباہ کن نتائج سے خبردار کرتے رہے۔

جب علامہ پرویز نے محسوس کیا کہ مشرقی پاکستان میں حالات دن بدن خراب ہوتے جارہے ہیں، تو معلوم کرنے کی غرض سے مشرقی پاکستان تشریف لے گئے۔وہاں انہوں نے حالات کا بغور جائزہ لیا، اور اسباب وعوامل پر مبنی تفصیلی رپورٹ

مرتب کر کے ماہنامہ طلوع اسلام میں شائع کیا، اور ارباب اختیار پر واضح کیا کہ اگر ان خرابیوں اور محرومیوں کا بروقت ازالہ نہ کیا گیا تو نتیجہ علیحدگی کی صورت میں نکل سکتا ہے۔ مگر طاقت اور دولت کے نشے میں بدمست ارباب اختیار نے اسے ایک بے بنیاد خدشہ سمجھتے ہوئے نظر انداز کیا۔ اور نتیجہ یہ کہ قرآنی نظریہ کی بنیاد پر حاصل کردہ ملک دو حصوں میں بٹ گیا۔ جس پر ہندوستان کی اس وقت کی وزیر اعظم اندرا گاندھی نے تبصرہ کرتے ہوئے کہا تھا کہ یہ دراصل حق پر مبنی نظریہ کی جیت اور باطل پر مبنی نظریہ کی شکست ہے۔ یہ بیان پاکستانی حکمرانوں کے منہ پر ایک طمانچہ تھا، مگر کاش کہ وہ احساس کی نعمت سے محروم نہ ہوتے۔

وائے ناکامی! متاعِ کارواں جاتا رہا کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

علامہ پرویز علیہ رحمہ نے قرآنی تعلیمات پر مشتمل ایک ضخیم لٹریچر تحریر کیا۔ آپ کے کام میں آڈیو، ویڈیو دروس القرآن کے علاوہ لغات القرآن، مفہوم القرآن، تفسیرِ قرآن (مطالب الفرقان) سیرتِ طیبہ (معراجِ انسانیت) دورِ فاروقی کی تاریخ (شاہکارِ رسالت) علامہ اقبالؒ کے حقیقی افکار پر مشتمل تصنیف (اقبال اور قرآن) اور ختمِ نبوت کے موضوع پر معرکہ آرا کتاب (ختمِ نبوت اور تحریکِ احمدیت) خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ پرویز صاحب کا جاری کردہ ماہنامہ طلوع اسلام اب تک باقاعدگی سے شائع ہو رہا ہے۔ الغرض علامہ پرویزؒ نے اپنی پوری زندگی اور اپنے سارے وسائل کو قرآنی تعلیمات کو عام کرنے کے لئے وقف کیا۔ کبھی دولت، شہرت، اقتدار یا کسی اور مفاد کی خواہش نہیں کی۔ پرویز صاحب کی فکر قرآنی کا بنیادی نکتہ علامہ اقبال کا یہ پیغام تھا کہ ؎

گر تو می خواہی مسلمان زیستن نیست ممکن جز بہ قرآن زیستن

یعنی اگر آپ صحیح معنوں میں مسلمان کی زندگی گزارنا چاہتے ہیں تو ایسا صرف اور صرف قرآنِ خالص کی تعلیمات کو اپنانے سے ہی ممکن ہے اسکے علاوہ کوئی صورت نہیں۔ علامہ پرویز علیہ رحمہ نے معمول کے مطابق 5 اکتوبر 1984 کو اپنے مکان 25 بی گلبرگ میں سامعین کو آخری مرتبہ درس قرآن دیا۔ مگر اس کے بعد مسلسل بستر علالت پر رہے۔ 24 فروری 1985، کو ملک وقوم کا یہ عظیم محسن اس دار فانی سے دار البقا کی طرف رخصت ہوا۔ اللہ تعالیٰ انہیں اپنے سحاب کرم سے نوازیں۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نُوری پہ روتی ہے بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ وَر پیدا

اب میں آپ کی توجہ میڈیا کے افسوسناک رویے کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں۔ یہ ایک ابدی حقیقت ہے کہ جو قوم اپنے محسنین کو بھول جاتی ہے اس قوم میں پھر محسنین پیدا نہیں ہوا کرتے۔ ملک وملت کے اس عظیم محسن، جن کی خدمات تحریک پاکستان کے حوالے سے قائداعظم اور علامہ اقبال کے بعد سب سے زیادہ اور نمایاں ہیں۔ ان کی یاد میں نہ ان کے یوم ولادت 9 جولائی، اور نہ ہی ان کے یوم وفات 24 فروری، کے موقع پر ملک کے کسی بھی ٹی وی چینل پر حتی کہ PTV پر ایک لفظ تک نہ بولا جاتا ہے اور نہ کسی اخبار میں ایک سطر لکھا جاتا ہے۔ کیونکہ ان کے تذکرہ سے عوام ان کی تحاریر وتقاریر کی طرف متوجہ ہو جائیں گے اور قرآن کریم کی روشنی میں تحریک پاکستان کے اصل مقصد اور بانیان پاکستان کے مثالی کردار سے آگاہی حاصل کر پائیں گے، کہ قیام پاکستان سے ان کا مقصد صرف ایک خطۂ زمین کا حصول نہ تھا بلکہ قرآنی نظام کا قیام تھا۔ دوسری طرف قوم

اپنے محسنین اور غیر محسنین کے متعلق اصل حقائق جان جائیں گے۔ لیکن بقول اقبال یہ تو ابلیس کا مقصد اولین ہے کہ

ہو نہ جائے آشکارا شرع پیغمبر کہیں

یہ ہیں اصل محرکات جس کے باعث پاکستان کا الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا اس عظیم محسن کی گرانقدر خدمات کو مسلسل نظر انداز کرتا چلا آرہا ہے۔ اب یہ ہمارا فریضہ ہے کہ ہم عوام کو اس مملکت کے حصولِ مقصد اور محسنینِ ملت کے کارہائے نمایاں سے آگاہ کریں۔ اور قرآنی نظام کے قیام کے لئے بھرپور تحریک چلائیں۔ آپ سب کی توجہ کا بہت بہت شکریہ!

عقیل حیدر ایڈووکیٹ

رپورٹ تقریب بیادِ پرویز علیہ الرحمۃ بزم ہائے فیصل آباد

محترم جناب علامہ غلام احمد پرویز صاحب کی برسی مورخہ 24 فروری کو تھی۔ اس سلسلہ میں بزم طلوع اسلام فیصل آباد میں بروز جمعہ مورخہ یکم مارچ 2024 کو علامہ پرویز کی یاد میں ایک محفل منعقد کی گئی۔ پروگرام سے ایک دن پہلے دوستوں کو ریمائینڈ کروادیا گیا جس پر ہمیں کافی تعداد میں احباب کی آمد متوقع تھی۔ اسی حساب سے ہم نے تواضع کا بھی اہتمام کر رکھا تھا تاہم وقت مقررہ سے کچھ دیر قبل ہی موسم انتہائی خراب ہوگیا اور بارش اور بوندا باندی کا سلسلہ شروع ہوگیا مگر اس کے باوجود جن احباب کے پاس گاڑی یا کوئی ایسی سواری تھی جس سے وہ بارش سے محفوظ رہ سکتے وہ وقت مقررہ پر پہنچ گئے مگر دیگر بہت سے احباب جو بارش کی وجہ سے گھروں سے نہ نکل سکے انہوں نے مجھے فون کر کے اطلاع دی کہ وہ آنے کو تیار ہیں مگر باہر بارش ہو رہی ہے ہم نہیں آسکتے۔ پھر بھی مقررہ وقت کے کافی دیر تک ہم موسم ٹھیک ہونے اور مزید احباب کے آنے کا انتظار کرتے رہے جس بنا پر باقاعدہ پروگرام چار بجے کی بجائے پونے پانچ بجے شروع ہوا۔

ہم نے پروگرام کا پیٹرن کچھ اس انداز سے رکھا تھا کہ آنے والے تمام احباب باری باری چند جملوں میں علامہ پرویز کو خراج تحسین پیش کریں گے۔ اس میں وہ بتائیں گے کہ انہیں فکر پرویز کب اور کیسے متعارف ہوئی اور علامہ پرویز نے ان کی زندگی پر کیا کیا اثرات مرتب کیے اور قرآن کریم سے ان کا تعارف پرویز صاحب نے کیسے کروایا۔

یہ سیشن انتہائی دلچسپ واقعہ ہوا ہر شخص نے بھرپور انداز سے اپنے جذبات کا اظہار کرتے ہوئے علامہ پرویز کو خراج تحسین پیش کیا اور ان کے کام کو نہ صرف اپنے لیے بلکہ آنے والی نسلوں کے لیے بھی سرمایہ قرار دیا پروگرام کی انتہائی دلچسپی کی وجہ سے وقت کے گزرنے کا احساس ہی نہ ہوا۔ تاہم پروگرام تقریباً سوا آٹھ بجے تک چلتا رہا۔

پروگرام کے آخر میں تمام احباب کی تواضع خستہ سموسوں فنگر چپس بسکٹ نمکو اور چائے کے ساتھ کی گئی۔

یہ سنٹرل بزم فیصل آباد اور بزم غلام محمد آباد کا مشترکہ سیشن تھا جو موسم کی خرابی کے باوجود بطریقِ احسن انجام پذیر ہوا۔

تحریر: نفیسہ فریاد چاہل

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

طاہرہ کے نام خطوط

(پر ایک بیٹی کا مختصر تبصرہ)

طاہرہ کے نام خطوط (جو کہ علامہ غلام احمد پرویز صاحب نے میرے اور معاشرے کی ہر بیٹی کے نام لکھے تھے) دکھ ہے کہ دیر سے ملے مگر دوسری طرف خوشی بھی ہے کہ مل گئے۔ انہیں پڑھ کر تحفظ کا احساس ہوا کہ علامہ صاحب کا مرد ہو کر عورت کے حق میں لکھنا بالکل ایسے ہی ہے جیسے متاثرہ عورت کا زخمی دل ان کے پاس پڑا ہو اور اس سے سنتے اور لکھتے رہے ہوں۔ بہرحال قوم کی بیٹی کو اپنا مان کر انہوں نے جو پیغامات لکھے ہیں وہ اس کے لیے کسی خزانے سے کم نہیں۔ یہ کل تیرہ خط ہیں جو کتابی شکل میں موجود ہیں اور اس کا عنوان ''طاہرہ کے نام خطوط'' ہے۔ طاہرہ سے مراد ہر وہ بیٹی ہے جو کہ ان کو پڑھے اور سمجھ کر اپنی زندگی پر لاگو کرے گی۔ خطوط کی زبان سادہ اور شستہ ہے۔ مستقل اور تحمل مزاجی سے بیٹی کو مخاطب کر کے اس پر ہوئے مظالم کی داستانیں رقم کی گئی ہیں اور اس کے احساسِ کمتری کو، کہ جس کی وجہ سے وہ خود کو بیٹوں سے کمتر سمجھتی ہے اور لڑکا ہونے کی خاموش خواہش دل میں دبائے رکھتی ہے کو نکال باہر کرنے کا انوکھا اندازِ بیاں اپنایا ہے۔ یہ خط ہر بیٹی کی امانت ہیں لہٰذا ہر کسی کو ان کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ ساتھ ہی ساتھ بیٹے (سلیم) کو بھی ان سے استفادہ حاصل کرنا چاہیے تاکہ وہ سمجھ سکے کہ عورت کی حفاظت کیسے کرنی ہے؟ اس کو کہاں کہاں سہارے اور ساتھ کی اشد ضرورت ہوتی ہے؟ علامہ پرویز صاحب نے قرآنی آیات کی روشنی میں ثابت کیا ہے کہ اگر مرد کسی حوالے سے افضل ہے تو عورت بھی کسی دوسرے حوالے سے مرد سے افضل ہے۔ میاں بیوی کے رشتے کی باہمی محبت اور مؤدت کی تشریح کی ہے اور لفظ مؤدت کو بڑے خوبصورت طریقے سے واضح کیا ہے۔ خطوں کی شروعات منفرد انداز سے کی گئی ہے۔ شادی شدہ عورت پر روا رکھے گئے مظالم کو سچے ہمدرد کی طرح رقم کیا ہے اور روایتی والد کی طرح بیٹی کے سر پر شفقت کا ہاتھ رکھ کر بیٹے کی باتوں باتوں میں ڈانٹ ڈپٹ بھی کر دی ہے کہ وہ ان کی بیٹی کو ہر لحاظ سے سُکھی رکھے اور اگر وہ ایسا کرنے سے باز نہ آیا تو اس کی بیوی یعنی مظلوم طاہرہ گھٹ گھٹ کر مر جائے گی۔ یہ زہر اس کے وجود کو رفتہ رفتہ ختم کر دے گا اور اس کو دنیا کی کوئی دوا نہیں بچا سکتی کہ جب ذہن ہی شفا نہ چاہے تو کیا علاج اثر کرے گا؟

اس ضمن میں شاکرہ اور صابرہ کے المناک قصے نقل کیے ہیں۔

جسے پڑھ کر احساس کی آنکھ سے آنسو ٹپکتے ہیں اور دماغ پر دیر پا اثرات رہ جاتے ہیں۔ نکاح وطلاق کے حوالے سے علامہ پرویز صاحب نے تفصیلی بحث قرآن کی آیات کی روشنی میں کی ہے۔ اس میں بلوغت کی عمر سے پہلے نکاح کو قرآنی احکامات کے متضاد قرار دیا ہے۔

جس طرح نکاح مرد وعورت کا اکیلے نہیں ہوسکتا بلکہ ولی اور گواہان وافرادِ خانہ کی موجودگی میں ہوگا اسی طرح طلاق بھی طلاق طلاق طلاق کہنے سے نہیں ہوجائے گی بلکہ قرآن کے مطابق اس کا بھی باقاعدہ ایک پروسیس ہے جس کی بنا پر شکایات اور شکووں کو افرادِ خانہ کی موجودگی اور عورت اور مرد کی طرف سے سرکردہ لوگوں کے باہمی صلاح مشورے کے بعد حتمی فیصلے تک پہنچا جائے گا۔

طاہرہ کو ''صابرہ'' اور ''شاکرہ'' کی کہانی سنائی کہ ان دونوں نفوس نے اپنے نام کی طرح طرزِ زندگی اپنائی۔ ''شفقت'' کی داستانِ حیات بھی کچھ کم افسردہ کردینے والی نہیں ہے۔ مجھے پرویز صاحب کی رقم کردہ شفقت کی حیا نے مجھے ذاتی طور پر بہت متاثر کیا ہے اور اس کو دل کے ایک کونے میں اپنے بہت قریب پایا ہے۔ جہیز کی رسم کو مزید تقویت دینے والوں کی وجہ سے کتنے ہی والدین اپنی بیٹیوں کو بیاہ نہیں پاتے اور بیٹیاں ان کی دہلیز پر خود کو کوستی رہتی ہیں کہ نہ وہ ہوتیں اور نہ ان کے ماں باپ ان کی وجہ سے پریشان ہوتے۔ وہ واقعات جو ہم اپنی روزمرہ زندگی میں دیکھتے اور سنتے ہیں مگر دل پہ نہیں لیتے وہ ہی واقعات اصل میں کسی کی روح کی دھجیاں اڑا رہے ہوتے ہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ علامہ پرویز صاحب کا دل کس قدر نرم ہے اور حساس ہے۔

عورت کو گھر میں قید رکھنا کوئی اچھا اقدام نہیں ہے۔ یہاں علامہ صاحب نے سورت نسا کی آیت نمبر 15 نقل کر کے وضاحت دی ہے کہ عورت کو گھر کی چار دیواری میں محبوس رکھنا کس قسم کے جرم سے بچانے کے لیے ہے؟ دراصل قید اور بندھ کسی چیز کو روکنے کے لیے ہوتے ہیں اور یہ ہر کسی عورت پر نہیں لگائے جاتے۔

اب۔۔۔ آگے بڑھتے ہیں اور کہانی کا دوسرا رخ دیکھتے ہیں۔ چونکہ یہ خطوط طاہرہ کے نام ہیں تو اس میں طاہرہ کے سر پر دستِ شفقت رکھنے کے بعد اس کی ہم جنس دوسری قسم کی عورت کی تصویر بھی کھینچی گئی ہے۔ شاکرہ، صابرہ اور شفقت کے زخموں پر پھاہے رکھنے کے ساتھ ساتھ ''شاہدہ'' کے رہن سہن کا خاکہ بنایا ہے۔ کہ کس طرح وہ بناوٹی اور اپنے سجنے سنورنے کو ہر کام پر فوقیت دینے والی تھی اور اسی عادت کی بنا پر اس نے نا صرف اپنے خاوند کو بلکہ اپنی بچیوں اور گھر کو بھی جہنم بنا رکھا تھا اور یہ بھی سو فیصد درست ہے کہ وہ خود بھی اسی جہنم کی باسی تھی۔ اس نے اپنی حماقتوں کی وجہ سے نہ اپنے گھر پر دھیان دیا اور نہ اپنے شوہر و بچوں پر بلکہ ان کے حصے کا قیمتی وقت پارٹیوں اور کلبوں کی نذر کرتی رہی۔ خطوں کو دلچسپی اور فرصت سے پڑھنے پر آپ

جانیں گے کہ عورت کو مستقل مزاجی کی زندگی گزارنی چاہیے اور اپنی اہمیت کو کبھی بھی نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔ وہ قدرت کے کارخانے کا ایک اہم کارکن ہے اور اس کے بغیر جہان میں برائے نام بھی رونق نہیں۔ وہ نہ تو ''صابرہ'' کی طرح قربانیاں دیتی رہے اور نہ ''شاہدہ'' کی طرح خود کی ہی ہو کر رہ جائے۔ عورت کے حقوق کی جو تحریکیں دورِ حاضر میں ہر طبقے کے لیے خطرہ بن گئی ہیں یہ یورپ کی تیار شدہ زہر کی پڑیاں ہیں جو کہ معاشرے کو سلو پوائزننگ سے برباد کر کے اس کے اخلاق و حسن کو ناپید کرنا چاہتی ہیں۔

یہاں ممانی کا واقعہ بھی قابلِ ذکر ہے جو بداخلاق و بدزبان بالکل بھی نہیں تھیں مگر وقت کی پابند نہیں تھیں۔ پابندیٔ وقت ہر کام کو چار چاند لگا دیتا ہے۔ پھر وہ گھر جہاں کام بہت زیادہ ہوں اور عورت سست یا کاہل یا حافظے کی کمزور ہو۔ دورِ حاضر میں اس طرح کی عورتیں اپنا قیمتی وقت ٹی وی اور سوشل میڈیا پر ضائع کر دیتی ہیں۔ ماموں کا معمول کچھ اور تھا وہ وقت کے پابند اور نیک انسان تھے مگر ممانی میں ہر خوبی ہونے کے باوجود کچھ خامیوں نے ماموں کی زندگی دشوار کر دی۔

علامہ پرویز صاحب قرآن کا حوالہ دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ جیسے مرد ہوں اللہ ویسی عورتوں کے ساتھ شادی کا حکم دیتا ہے۔

تعدد ازواج کے بارے میں بتایا گیا ہے اور اس سلسلے میں ہمایوں اور رفعت کے رشتے میں پیدا ہوئی غلط فہمی کہ کس طرح رفعت کو اپنے میاں کی طرف سے دوسری شادی کر لینے کا دھڑکا لگا رہتا تھا اور بدلے میں ہمایوں کا ردعمل۔

گھر کو جنت بنانے میں نا صرف عورت بلکہ مرد کی ذمہ داری بھی بنتی ہے۔ مرد اگر خود کو حاکم سمجھے گا اور اپنے رعب و دبدبے سے بیوی بچوں سے پیش آئے گا تو بچے بھی باپ کے سائے میں سوکھ جائیں گے۔ جیسے کسی تن آور درخت کے نیچے چھوٹے پودے اور گھاس پھونس سوکھ جاتے ہیں۔ گھر کا ماحول دوستانہ ہونا چاہیے۔ جس میں ہر فرد اپنے مسائل کسی دوسرے سے شیئر کر سکے اور اسے کسی قسم کا خطرہ نہ ہو۔ پھر سارے گھر والے مل کر اس مسئلہ کا حل کریں۔

اس تبصرے میں مابدولت کی طرف سے تصنیف (طاہرہ کے نام خطوط) کے چیدہ چیدہ نکات کو رقمطراز کیا گیا ہے۔ جیسے مسلسل برستی بارش کے چند قطروں کو چلو میں بھرا جائے۔ یا سمندر میں غوطہ زن ہوئے بغیر ساحل پہ آئی ریت سے صدف اٹھا لینا۔ اصل گوہر تو اس بحر کی تہہ میں جا کر ملیں گے۔ یہ مختصر الفاظ اس کتاب کا چھوٹا سا تعارف ہیں۔ لہٰذا طاہرہ کے نام خطوط پڑھیں اور دوسروں کو بھی پڑھائیں۔

وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ (36:17)

انوار الحق، اسلام آباد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نماز تراویح احسن بدعت

جب ہلاکو خان نے بغداد کا محاصرہ کیا تو اس کی گلیوں اور چوراہوں پر اس وقت کے علماء اس بحث میں مصروف تھے کہ کوا حلال ہے یا حرام اور مسواک کی شرعی لمبائی کیا ہونا چاہیے۔ ابھی یہ مکالمے جاری ہی تھے کہ ہلاکو خان نے علم و فضل کے اس عظیم شہر کی اینٹ سے اینٹ بجادی جگہ جگہ انسانی کھوپڑیوں کے مینار نظر آنا شروع ہو گئے علم و ادب سے بھری لائبریریوں کو جلا کر خاکستر کر دیا گیا جس کی راکھ نے دجلہ و فرات کے پانیوں کو سیاہ کر دیا۔ لیکن افسوس امت نے تاریخ سے کچھ سبق نہیں سیکھا۔ قصوروار کون ہے یہ بات ہم سب اچھی طرح جانتے ہیں۔ وہ کسی نے کیا خوب کہا ہے کہ ''خدا کبھی اس قوم کی حالت نہیں بدلتا جو خود اپنی حالت بدلنے کو تیار نا ہوں''۔

آج تقریباً چودہ سو سال گزر جانے کے بعد ہمارے علماء بھی اس بحث و مباحثہ میں مصروف ہیں کہ نماز تراویح بدعت ہے یا احسن ہے اس نماز کی آٹھ رکعتیں ہیں یا بیس۔ یہ لایعنی بحث و مباحثہ تسلسل سے جاری و ساری ہے اور تقریباً ہر سال ماہ المبارک کی آمد سے قبل یہ موضوع مزید زبان زد عام ہو جاتا ہے۔ اس عمل کی حمایت اور مخالفت میں ایسے ایسے دلائل پیش کیے جاتے ہیں جن کا ذکر نا قرآن حکیم میں ملتا ہے اور نا ہی صحیح اور مستند احادیث میں۔ لیکن بحث اور مباحثوں کا دائرہ ہے کہ ہر آنے والے سال وسیع سے وسیع تر ہوتا چلا جاتا ہے۔ امت کے بیشتر افراد اس عبادت پر عمل پیرا ہیں۔ البتہ اس عبادت کا جو سب سے قابل ذکر پہلو ہے اس سے اعراض برتا جاتا ہے۔ جبکہ ہر ذی شعور مسلمان اس حقیقت سے بطریق احسن واقف ہے کہ نزول قرآن کا بنیادی مقصد اس کو سمجھ کر پڑھنا اور عمل کرنا ہے۔ لہٰذا ''الٓمّٓ سے وَ النَّاسِ'' تک وحی الٰہی کے ذریعے حاصل ہونے والے ان تمام خدائی احکامات پر ہمیں دل و جان سے عمل پیرا ہونا چاہیے تب ہی دنیا اور آخرت کی حقیقی کامیابی اور سربلندی ہمیں حاصل ہوگی۔ کیا آج کوئی یہ سوال پوچھنے کی جسارت کر سکتا ہے کہ نماز تراویح کے اجتماعات سے اُمت نے قرآنی تعلیمات کو سمجھے بغیر کیا سیکھا؟ کیا ہم وہ مومن بن سکے جو رب کعبہ ہمیں دیکھنا چاہتا تھا؟ جبکہ ارشاد خداوندی ہے:

اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۶۲﴾ (10:62)

یاد رکھو! جو لوگ قوانین خداوندی کی اطاعت سے نظامِ خداوندی کے قیام کے لئے اللہ کے رفیق (اولیاء اللہ) بن جاتے

ہیں انہیں نہ کسی خارجی قوت کا خوف رہتا ہے نہ داخلی کشمکش سے اندوہنا کی۔

آج بھی ہمارے علماء یہ فیصلہ کرلیں کہ ہم نے آئندہ قرآن حکیم کو سمجھ کر پڑھنا ہے اور سننے والوں کو اس عظیم کتاب کا مفہوم عین اسی طرح سمجھانا ہے جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب اطہر پر نازل فرمایا تھا۔ یقیناً ہمارے ہاں آج بھی چند ایسی مساجد موجود ہیں جہاں خطیب نماز تراویح سے قبل پڑھی جانے والی آیات قرآنی کا مفہوم نمازیوں کو بتاتے ہیں۔ یہ ایک قابل ستائش عمل ہے جسے سارا سال تمام مساجد میں جاری وساری رہنا چاہیے۔ بصورت دیگر بنا سمجھے قرآن کا ورد کر کے امت کا جو حال ہو چکا ہے وہ کسی سے ڈھکا چھپا نہیں۔ قرآن حکیم کو سمجھ کر نا پڑھنے اور احکامات الٰہی پر عمل نا کرنے کا خمیازہ ہم سب من حیث القوم بھگت رہے ہیں لیکن ان تمام تلخ حقیقتوں کو پس پشت ڈال کر ہم نے اپنی آنکھیں بند کر رکھی ہیں۔ اگر اب بھی ہم نیند سے نا جاگے تو اللہ تعالیٰ کا قانون اٹل ہے وہ ہم پر ایک دوسری قوم کو مسلط کر دے گا اور مزے کی بات یہ ہے کہ وہ ایسا کر بھی چکا ہے مگر ہم ہیں کہ خواب خرگوش سے جاگنے کو تیار ہی نہیں۔

ہمیں بطور امت یہ فیصلہ کرنا ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کا ہمیں اس دنیا فانی میں بھیجنے کا واحد مقصد آخرت کی کامیابی نہیں تھا بلکہ کامیاب دنیا ہی دراصل مومن کے لیے آخرت کی کامیابی ہے۔ یہ میرا ایمان ہے جو مجھے ہر لحہ ملامت کرتا رہتا ہے کہ آج دنیا میں جتنی بھی ایجادات ہو رہی ہیں اس کا سہرا مسلمانوں کے سر ہونا چاہیے تھا کیونکہ ہم ہی تو واحد امت ہیں جس کے دین کی ابتداء ہی ''اقراء'' سے ہوتی ہے۔ آج ہم سینا پھولا کر اسلاف کے قصے بیان کرتے ہیں اور دعویٰ کرتے ہیں کہ ان تمام ایجادات کے پیچھے مسلمان سائنسدانوں کا ہاتھ ہے یہ بات سو فیصد درست ہے مگر یہ بھی تو ایک تلخ حقیقت ہے کہ پچھلے چھ سات سو سالوں میں بدقسمتی سے مسلمان سائنسدانوں نے عالمی سطح پر کوئی کارنامہ سرانجام نہیں دیا۔

جبکہ ہمیں تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے تسخیر کائنات کے لیے دنیا میں بھیجا تھا۔ لہذا امت کو علم وفضل کے میدان میں نمایاں کارنامے انجام دینا ہونگے۔ ثواب اور عذاب کو قرآنی تصورات کی روشنی میں سمجھنا ہوگا۔ صرف چند مخصوص عبادات کی ادائیگی سے جنت کا حصول بڑا بے معنی سا لگتا ہے۔ مسلمانوں کو اس سے آگے نکلنا ہوگا اور یہ ثابت کرنا ہوگا کہ ہم اس اللہ اس نبی اور اس کتاب کے ماننے والے ہیں جس نے 14 سو سال پہلے کائنات کے چھپے ہوئے خزانے ہم پر ظاہر کر دیے تھے۔ دراصل دین اسلام پر عمل پیرا ہونے کا مطلب 24/7 ہے یعنی دن کے 24 گھنٹے ہفتے کے 7 دن سال کے 365 دن اور حیات سے موت تک کا سفر مسلسل۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اور آپ کے رفقاء کار نے اس دنیا کو مثل جنت بنا دیا تھا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنی فہم وفراست عمل وکردار کی بنیاد پر ہی بائیس لاکھ مربع میل زمین پر اسلام کا پرچم لہرایا تھا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اس عظیم مقصد کے حصول کے لیے اپنی جان کے نذرانے پیش کیے تھے۔

البتہ جہاں تک تعلق ہے ہمارے علماء کرام کا اور ان کے دینی مباحثوں کا چاہے وہ تراویح سے منسوب ہوں یا دیگر دینی مسائل سے تو پچھلے بارہ سو برس سے یہی کچھ ہوتا چلا آرہا ہے۔ یہ علماء سو خود تو عیش وعشرت کی زندگی بسر کرتے ہیں اپنی حفاظت

کے لیے گارڈز کا اہتمام کرتے ہیں اور غریب عوام کو اللہ پر بھروسہ کرنے کی تلقین کرتے ہیں خود ترنوالے کھاتے ہیں غریبوں کو صبر کی تلقین کرتے ہیں ملوکیت کے ساتھ گٹھ جوڑ کر کے ان کی مرضی کے مطابق فتویٰ جاری کرتے ہیں۔ جس سے ناعوام کی تقدیر بدلتی ہے نا مملکت کی البتہ چند مخصوص افراد ضرور فائدے حاصل کر لیتے ہیں۔

دورِ ملوکیت میں ان خلفاء کی ایماء پر بے شمار روایات مدون کی گئیں جنہیں آج تک صرف اس لیے معتبر تسلیم کیا جاتا ہے کہ یہ روایات تو بارہ سو سال پہلے تحریر کی گئی تھیں یہ تو غلط ہو ہی نہیں سکتیں یعنی ان کا قرون اولیٰ سے چلے آنا ہی اس امر کی تصدیق گردانا جاتا ہے۔ ان تواریخ و روایات کی بدولت دین اسلام کا شیرازہ بکھر کر رہ گیا۔ ہر مسلک اور فرقہ اپنی تحریر کردہ روایات پر جان دینے اور جان لینے پر تلا دکھائی دیتا ہے۔

چنانچہ تمام مسالک اور فقہ کی وہ کتابیں درست تسلیم کی جائینگی جن میں درج احکامات، قرآن حکیم کے احکامات سے متصادم نہیں ہیں۔ بصورت دیگر تمام مسلمانوں پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ ان روایات پر عمل کرنے سے پہلے ان احکامات کی مکمل تصدیق کریں کیونکہ یہ تمام روایات انسانوں کی تحریر کردہ ہیں ان پر قرآن حکیم کی طرز پر اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے محفوظ و صحیح ہونے کی کوئی مہر ثبت نہیں ہے۔

البتہ قرآن کریم جس کے ایک ایک حرف کی حفاظت کی ذمہ داری خود خدا بزرگ و برتر نے لی ہوئی ہے اس کا ذکر ہمیں ذرا کم سننے کو ملتا ہے بالفرض محال ذکر ہو بھی تو مطمح نظر حصول ثواب ہوتا ہے۔ جبکہ قرآن مجید ایک مکمل ضابطہ حیات ہے جس میں کوئی بھی دقیقہ فروگزاشت نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک ہے اس کا ہر فیصلہ اٹل ہے۔ لہٰذا خارجی دنیا میں اس کا "کن" پر مبنی قانون کارفرما ہے سورج چاند اور کروڑوں ستارے اور سیارے اس کے ایک حکم پر اربوں سال سے گردش میں ہیں جبکہ ان میں پیدا ہونے والے ایک سیکنڈ کے دسویں حصے کا فرق بھی ہماری دنیا میں قیامت بپا کر سکتا ہے۔ البتہ اس دنیا فانی جس کے ہم باسی ہیں یہاں قانون مشیت الٰہی کارفرما ہے۔ یہاں کے تمام فیصلے وحی الٰہی کی روشنی میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسانوں کے سپرد کر دیے ہیں۔ لہٰذا انسان یہاں اپنے تمام تر اعمال کا خود ذمہ دار ہے۔ ترقی اور کامرانی کی لاتعداد راہیں اس کی ہر لحہ منتظر رہتی ہیں۔ اگر انسانی عمل وحی الٰہی کا پابند ہے تو اس میں یقینی طور پر انسانیت کی فلاح اور بہبود مضمر ہے۔ اس کے برعکس اگر پس پردہ شیطانی سوچ اور باطل طرزِ عمل کارفرما ہو تو یقیناً انجام تباہی اور بربادی ہوگا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ قرآن حکیم میں متعدد مقامات پر اپنے بندوں کو تدبر تفکر کا حکم دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ اپنی تخلیق پر غور کیا کرو آسمان کی بلندیوں کو دیکھو پہاڑوں کی اونچائی دیکھو دریا اور سمندر کی روانی دیکھو چرند پرند کو دیکھو کائنات کے خزانے تمھارے لیے کھول دے گئے ہیں ان سے خود بھی فائدے حاصل کرو اور جن لوگوں میں اہلیت اور صلاحیت نہیں ہے ان کی مدد کرو۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ: وَالَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا وَّعُمْيَانًا ﴿۷۳﴾ (25:73)

یہ لوگ یونہی جذبات کی رو میں نہیں بہ جاتے بلکہ اپنا ہر قدم پورے غور وخوض کے بعد اٹھاتے ہیں (76:34)۔ یہاں تک کہ جب ان کے سامنے قوانین خداوندی بھی پیش کئے جائیں، تو وہ ایسا نہیں کرتے کہ علم وبصیرت اور عقل وفکر کو بالائے طاق رکھ کر، محض جذباتی طور پر، ان پر گر پڑیں۔ وہ انہیں بھی اندھے، بہرے بن کر اختیار نہیں کرتے۔ سوچ سمجھ کر اختیار کرتے ہیں۔ (ظاہر ہے کہ یہ لوگ جب قوانین خداوندی پر بلا سوچے سمجھے عمل نہیں کرتے، تو زندگی کے دوسرے معاملات کے فیصلے بے سوچے سمجھے کیسے کریں گے؟)۔

قصہ مختصر یہ نظریات کی جنگ اور بحث ومباحثہ جس کے نتیجے میں امت فرقوں میں تقسیم ہوگئی نئے نہیں بلکہ دنیا یہ طرزِ عمل صدیوں سے دیکھتی چلی آرہی ہے۔ قرآن حکیم فرقوں کو شرک سے تعبیر کرتا ہے جبکہ روایات مصر ہیں کہ امت میں بہتر فرقے بن کر رہیں گے۔ تاریخ کے قارئین اس حقیقت سے بخوبی واقف ہیں کہ جنگ جمل کا تسلسل بنوامیہ، بنوعباس سے ہوتا ہوا آج تک ہمارے معاشرے میں جاری وساری ہے۔ جس کی جھلک اپنے گردوپیش ہمیں جا بجا دکھائی دیتی ہے۔ یہ وہی دور ہے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے تقریباً ڈھائی سو سال بعد ان روایات کو تحریری وجود بخشا گیا اس سے پہلے کوئی روایت اور حدیث تحریری شکل میں موجود نا تھی۔ لہٰذا تاریخ کو مسخ کرنے اور اپنی عیاشیوں کو فروغ بخشنے میں اس دور کے خلفاء اور علماء نے کوئی کثر اٹھا نہیں رکھی۔ اس تلخ تاریخی حقیقت سے سب واقف ہیں صدیوں سے یہی کچھ ہوتا چلا آیا ہے یہاں تک کہ ملک عزیز میں آج جو کچھ ہو رہا ہے یہ بھی ہماری اس ہی تاریخ کا تسلسل ہے۔ لیکن اس سے بھی کہیں زیادہ تکلیف دہ امر یہ ہے کہ ہمیں آگے بھی آثار کچھ اچھے دکھائی نہیں دیتے۔ ایک امید ہے جینے یہ جواُ کساتی ہے۔۔۔

ورنہ ہر سال گزرتا ہے بنا بات بنے

قارئین طلوعِ اسلام توجہ فرمائیں

ماہنامہ طلوعِ اسلام کی درجِ ذیل سالانہ خوبصورت جلدیں 1200 روپے فی جلد کے حساب سے دستیاب ہیں۔ اپنے کتب خانوں میں ''طلوعِ اسلام'' کے فائلز مکمل کرنے کے لئے آرڈر فرمایئے۔ شکریہ

1985,1986,1987,1988,1991,1999,2000,2001,2002,2003,
2004,2005,2006,2011,2015,2016,2017,2018,2019
,2020,2021,2022,2023

حقائق و عبر

ذیل کا سوال اور اس کا جواب ملاحظہ فرمایئے: سوال: میں چاہتا ہوں کہ فرقہ بندی کے توڑ میں ایک ایسی کتاب لکھی جائے جس میں آیاتِ محکمات کو واضح طور پر علیحدہ اس طور سے ترتیب دیا جائے کہ اُن کا محکمات ہونا واضح کیا گیا ہو اور پھر متشابہات کو بھی اسی طرح بالوضاحت علیحدہ بیان کیا جائے۔ طرزِ بیان اور اسلوبِ وضاحت ناصحانہ اور مصلحانہ ہو، نہ کہ مناظرانہ۔

جواب: محترم بھائی! شاید آپ کا خیال ہے کہ قائدین تفرقہ نے کتاب وسنت کے احکام کو سامنے رکھ کر فرقے بنائے ہیں، اور اب اگر ان پر واضح ہو جائے کہ قرآن وحدیث تفرقہ بازی کے خلاف ہیں تو وہ فوراً اتحاد و ائتلاف کے راستے پر پڑ جائیں۔ ایسا نہیں ہے اور نہ انہیں کوئی غلط فہمی ہے۔ فرقے بنائے بغیر ان کا کاروبار نہیں چل سکتا۔ سب نے الگ الگ باڑے بنا لئے ہیں، ان میں اپنے اپنے ریوڑ محفوظ کر رکھے ہیں اور اپنے اپنے فرقے کے مخصوص کلامی علائم اور فقہی شعائر کی باڑیں تعصب کے بندھنوں سے باندھ رکھی ہیں۔ ہر گلہ بان اپنے ریوڑ کو برسوں اس بات کی تربیت دیتا ہے کہ وہ صرف اس کی بات سنے اور کسی دوسرے باڑے سے یا کھلے میدان سے اگر سو فیصد حق وصداقت کی آواز اٹھے تو بھی اسے نہ مانے کہ اس باڑے سے باہر کوئی شخص نہ صحیح العقیدہ ہے نہ صحیح العمل۔ ہر فرقے والا اپنے بزرگوں اور ہم مسلکوں کے افکار و اعمال کا گرویدہ رہتا ہے اور اس حلقے سے باہر کے اچھے سے اچھے مسلمانوں کے افکار و اعمال میں کھوٹ نکالتا ہے تاکہ کہیں اپنے ریوڑ میں خلل نہ پیدا ہو جائے۔

حضور نبی کریم ﷺ تو جو قرآن لائے وہ دعوتِ حق کے اس نمایاں نتیجے کو بیان کرتا ہے کہ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ۚ (3:103)۔ دین کی تو شان ہی یہی ہے کہ وہ مختلف قبیلوں اور نسلوں اور ملکوں کے لوگوں کو بھائی بناتا ہے۔ پھر قرآن ایک مسلمان اور دوسرے مسلمان کے درمیان رشتۂ اخوت کا کئی بار ذکر کرتا ہے، وہ چاہتا ہے کہ سب لوگ ''بنیانِ مرصوص'' بن کر رہیں اور نبی اکرم ﷺ اتحاد کو لازمۂ ایمان قرار دیتے ہیں۔ (لَا تُؤْمِنُوا حَتّٰى تَحَابُّوْا)۔

بلاشبہ تحریر و تقریر کے وسائل سے بھی اُمت کو دعوتِ وحدت دینی چاہئے، مگر فرقہ وارانہ تعصّبات کا مرض اتنا ہٹیلا ہے کہ اوّل تو فرقوں سے وابستہ افراد کسی بیرونی چیز کو پڑھیں گے ہی نہیں، اور جو اہم شخصیتیں پڑھیں گی وہ اس میں سے کچھ ٹیڑھ نکال کر اپنے لوگوں کو ڈرا دیں گی کہ ایمان میں خلل کا خطرہ ہے اور آخرت میں نقصان کا۔ بلکہ قائل کے منشاء کے خلاف مفہوم کسی عبارت سے نکال لینا، کسی ادھوری بات کو سلسلۂ کلام سے منقطع کر کے اس سے ایک نتیجہ برآمد کرنا، حتیٰ کہ لفظی تحریف کر لینا بھی رائج و متداوّل ہے۔

آپ کا خیال ہوگا کہ ہم نے یہ اقتباس طلوعِ اسلام کے کسی سابقہ پرچہ سے نقل کر دیا ہے۔ جی نہیں! یہ نقل کیا گیا ہے جماعتِ اسلامی کے ماہنامہ ترجمان القرآن کی اشاعت' بابت فروری 1981ء صفحہ: 39 سے۔ غنیمت ہے کہ انہوں نے ''فرقے'' کا لفظ تو استعمال کیا، ورنہ اب تو یہ حضرات فرقوں کو ''مکاتبِ فکر'' کہہ کر (اپنے آپ کو تو شاید نہیں، لیکن) سادہ لوح عوام کو دھوکا دینے کی کوشش کرتے ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(گذشتہ سے پیوستہ)

لے گئے تثلیث کے فرزند میراثِ خلیلؑ

محشرستانِ فلسطین

(نوشتہ 1967ء)

برطانوی وعدے:

یہ ظاہر ہے کہ جنگ کے دوران میں ان کی امداد و تائید حاصل کرنے کے لئے، برطانیہ نے عربوں سے بھی وعدے کئے اور یہودیوں سے بھی۔ یعنی پہلے عربوں سے اور پھر یہودیوں سے۔ یہ وعدے یا تو ایک دوسرے کی ضد ہیں یا باہمی طور پر مطابق۔ اگر متضاد ہیں تو اخلاقاً اور قانوناً وہ وعدے قابلِ قبول و عمل ہیں جو پہلے کئے گئے۔ کیونکہ ایک قانونی ضمانت دے دینے کے بعد انگریز اس سے متضاد وعدہ کسی اور فریق سے نہیں کر سکتے تھے لہٰذا برطانیہ کے وہ وعدے جو یہودیوں سے کئے گئے اور عربوں سے کئے گئے، وعدوں کی ضد ہیں، غیر قانونی اور قابلِ استرداد ہیں۔ اگر وہ وعدے ایک دوسرے کے مطابق ہیں تو اس سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ عرب اپنی آزاد حکومت قائم کر سکتے ہیں اور انگریزوں کا ہرگز یہ منشاء نہیں تھا کہ کسی عرب ملک میں کسی غیر عرب (یہودی) کی سلطنت قائم کریں یا اسے بزورِ شمشیر مسلط کریں۔ اس سے فیصلہ انتداب بھی غلط ہو جاتا ہے اور فیصلہ تقسیم بھی۔ اگر تینوں فریقوں یعنی برطانیہ، عربوں اور یہودیوں میں سے کوئی ان وعدوں کا مفہوم کچھ اور لیتا ہے تو اس کے حل کی بہترین صورت یہ ہے یا تھی کہ تحریری دستاویزات کو، کہ وہی وجۂ نزاع ہیں، بین الاقوامی عدالت میں برائے فیصلہ پیش کیا جاتا۔ برطانیہ نے ایسا کرنے کی بجائے معاملہ جمعیۃ اقوامِ متحدہ کے سپرد کیا جس نے عربوں کی مرضی کے خلاف برطانوی وعدوں کو ٹھکراتے ہوئے فلسطین (اور بعض دیگر عربی ممالک) کو انتداب کی لعنت میں گرفتار کر دیا۔ جمعیۃ اقوام ایسا کرنے کی مجاز نہیں تھی۔ معاہدۂ امن کی خبر پا کر عربوں نے جولائی 1919ء میں دمشق میں ایک موتمر طلب کی۔ اس موتمر کی قراردادوں میں ہے:

> ہم جنوبی شام میں جس کو فلسطین کہا جاتا ہے، یہودیوں کے اس مطالبہ کو رد کرتے ہیں کہ وہاں یہودی دولتِ مشترکہ (Jewish Common Wealth) قائم ہونی چاہئے۔ ہم یہودیوں کے داخلہ فلسطین کے ہی مخالف ہیں۔ ہم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ ان کا ایسا حق ہے اور ہم ان کے مطالبات کو اپنی قومی، سیاسی اور معاشی زندگی کے منافی سمجھتے ہیں۔ ہمارے (موجودہ) یہودی شہری ہماری طرح ملک حقوق و فرائض میں بدستور شریک رہیں گے۔

ممالکِ عربیہ میں عام جذباتِ نفرت پھیل گئے۔ ان کا خون، ان کی قربانیاں سب اکارت گئی تھیں۔ عربی حمیت، قوی

خودداری کی یہ تذلیل کب دیکھ سکتی تھی؟ انہوں نے بچے ذبح کرائے، جوان قربان کئے، مصیبتیں جھیلیں، ملک برباد کرائے، اس اُمید پر کہ وہ آزادی سے ہمکنار ہوسکیں گے۔ لیکن اس سرفروشی اور ایثار پیشگی سے ملا تو کیا؟۔۔۔ غلامی! لعنت و ذلت!!

فیصل نے تنگ آ کر ایک کمیشن کا مطالبہ کیا جو جملہ امور کی تحقیقات کرے۔ برطانیہ اور فرانس کو اپنی شیطنت کاریوں اور ریشہ دوانیوں کا علم تھا۔ انہوں نے اس منصفانہ مطالبے کو تسلیم نہیں کیا۔ البتہ امریکہ نے کہ اس وقت تک غیر جانبدار تھا، اس کا خیر مقدم کیا۔ نتیجہ کنگ، کرین رپورٹ کی صورت میں نکلا۔ یہ رپورٹ اس لئے قابلِ ذکر ہے کہ غیر جانبدار اشخاص کی مرتب کردہ ہے۔ اس رپورٹ میں متشدد صیہونیوں کی مذمت کی گئی جو غیر محدود داخلہ فلسطین پر مصر ہیں۔ انہوں نے اس پر بھی زور دیا کہ قومی وطن قومی حکومت نہیں۔ ایسا کرنا ''غیر یہودی فرقوں'' کے مدنی اور مذہبی حقوق کو پامال کئے بغیر ناممکن ہے۔ واضعین رپورٹ نے تسلیم کیا کہ وہ ابتداءً یہودیوں کے حامی تھے۔ اس کے باوجود حقائق و واقعات کا مطالعہ کر کے انہوں نے موتمر امن کو مشورہ دیا۔

یہودیوں کا داخلہ فلسطین یقینی طور پر محدود ہونا چاہئے اور فلسطین کو یہودی دولتِ مشترکہ بنانے کا ارادہ ترک کر دینا چاہئے۔

خلافِ صیہونیت تحریک:

1919ء کے بعد حالات کی رفتار بدل گئی کیونکہ ہمہ گیر خلافِ صیہونیت تحریک پھیل گئی جس سے یہودی کثیر تعداد میں سابقہ وطن ترک کر کے فلسطین میں آنا شروع ہو گئے۔ اِن تارکینِ وطن یہودیوں کو اپنے حال پر رہنے دیا جاتا تو ان میں سے اکثر یقیناً فلسطین کا رُخ نہ کرتے۔ فلسطین یہودی بے وطنی، اور غربت کا حل نہیں۔ لیکن صیہونی سوسائٹیوں نے اس مصیبت کا فائدہ اٹھایا اور اس سیلاب کو فلسطین کی جانب پھیر دیا۔ 1932ء میں ہٹلر برسرِ اقتدار آیا۔ ہٹلر، پہلی عالم گیر جنگ میں جرمنی کی شکست کا ذمہ دار بہت حد تک یہودی سازشوں کو قرار دیتا تھا۔ لہٰذا آئندہ تیاری سے پیشتر وہ اپنے ملک کو ان غداروں سے پاک کر دینا چاہتا تھا۔ ہٹلر کی فتوحات کے ساتھ ساتھ خلافِ صیہونیت تحریک یورپ میں بھی پھیل گئی۔ چنانچہ 1939ء میں فلسطین کی یہودی آبادی 30 فی صدی تک پہنچ گئی۔ 1945ء میں ان کی تعداد پچپن ہزار سے پانچ لاکھ اناسی ہزار ہوگئی۔ عرب قدرتی طور پر متوحش ہوئے۔ انہیں ڈر ہوا کہ اگر فلسطین کے دروازے بدستور کھلے رہے تو یہودی ایک دن اکثریت میں ہو جائیں گے اور ان کا ملک یہودی ملک ہو جائے گا۔ یہودیوں نے سرمایہ کے زور سے غریب عربوں کی زمینیں خریدنا شروع کر دی تھیں۔ وہ اپنی علیحدہ آبادیاں اور بسارے تھے۔ ان کی آمد سے عرب بے دخل اور اقتصادی طور پر یہودیوں کے زیرِ اثر ہوتے جا رہے تھے۔ یہودیوں کی پشت پر وہ یہودی سرمایہ دار تھے جو افسانوی دولت کے مالک تھے۔ صیہونیت ایک منظم تحریک تھی۔ اس کے مقابلہ میں عرب غیر منظم اور مفلس تھے۔ لہٰذا ان کے خدشات قدرتی اور حقیقی تھے۔

کہا جاتا ہے کہ چونکہ یہودی مظلوم ہیں اور انہیں آبائی گھروں سے نکالا گیا ہے اس لئے انہیں فلسطین میں آباد ہونے دیا جائے۔ یہ دلیل دینے والے یہ نظر انداز کر جاتے ہیں کہ عرب خود سامی النسل ہیں۔ لہٰذا یہ ناممکن ہے کہ وہ بھی نام نہاد ''اینٹی سامی'' تحریک کے علمبردار بن جائیں۔ ہٹلر نے یہودیوں پر جو مظالم کئے اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ وہ خود آریائی نسل سے

تھا اور سامیوں کا دشمن تھا۔ یہودی مظلومین کے نام نہاد ہمدردوں اور بہی خواہوں نے جس انداز سے یہودیوں کو فلسطین پر ٹھونسا ہے اس سے ''سامی دشمنی'' کا دائرہ وسیع ہو گیا ہے۔ عرب کبھی ''سامیوں'' (یہودیوں) کے دشمن نہیں تھے۔ وہ اب بھی نہیں۔ انہوں نے بارہا اعلان کیا ہے کہ عرب ممالک میں بسنے والے یہودیوں کو پورے شہری حقوق حاصل ہوں گے۔ ان پر یہودی ہونے کی وجہ سے کسی قسم کی پابندی نہیں ہوگی۔ فلسطین میں موجود یہودیوں سے اب بھی وہ فراخدلانہ، برادرانہ سلوک کرنے کے لئے تیار ہیں۔ لیکن جن یہودیوں نے عربوں کے وطن کو خون و آتش کی بازی گاہ بنایا ہے، جن کے ہاتھوں عربوں کے مال و دولت کو نقصان پہنچا، ان کی جانیں ضائع ہوئیں، انہیں عرب کیسے برداشت کر سکتے ہیں؟ ہمدردان یہود نے یہودیوں کو ''سامی دشمنی'' کے یورپی حلقے سے نکال کر عربی حلقے میں جھونک دیا ہے۔ یورپ میں جو آگ خاموش ہو گئی تھی، اسے محبانِ اسرائیل نے عرب میں روشن کر لیا ہے۔ اب یہودی اپنے ہاتھوں جلائی ہوئی اسی آگ میں جل رہے ہیں۔

انتدابِ فلسطین:

انتدابِ فلسطین ''اے کلاس'' تھا جس کا مطلب یہ تھا کہ فلسطین کی آزادی تسلیم کر لی گئی ہے لیکن جب تک وہ اپنے پاؤں پر کھڑا نہیں ہو سکتا، اسے نگرانی میں رکھا جائے گا۔ انگریز کی یہود نوازی عرب آزادی کی منزل کو دور سے دور تر کرتی جا رہی ہے۔ اس کی کیا ضمانت تھی کہ یہ سلسلہ اس وقت رُکے گا جب فلسطین یہودی بن چکا ہوگا۔ ان کے ہوتے ہوئے کیا اعراب فلسطین آزاد ہو سکیں گے؟ 1927ء میں برطانیہ نے سیلف گورنمنٹ کی طرح ڈالنی چاہی۔ ایک نمائندہ اسمبلی کی تجویز ہوئی جو ہائی کمشنر کی مشاورتی مجلس ہوتی۔ یہودی ہر چند اقلیت میں تھے لیکن ان کے نمائندے برطانوی پارلیمان میں بھی تھے اور برطانوی حکومت میں بھی۔ یہ حقیر سی کوشش بھی یہودی مخالفت کی نذر ہو گئی۔ انگریز نے ببانگِ دہل اسمبلی کے قیام کا اعلان کیا تھا لیکن اس نے اچانک اسے ترک کر دیا۔ عرب کب تک ضبط کرتے، معاملات دگرگوں ہوتے جا رہے تھے۔ 1936ء میں فلسطین بھر میں احتجاجی مظاہرے شروع ہو گئے۔ برطانیہ نے تشدد سے اس آزادی کی رُو کو دبانا چاہا۔ عربوں کے ہیجان کی حقیقی وجوہات تھیں، اس لئے حکومت کا جبر و تشدد اسے کچل نہیں سکتا تھا۔ برطانیہ نے پہلو بدلا اور رائل کمیشن قائم کر دیا۔ کمیشن کی تحقیقات کا ماحصل یہ تھا کہ انتداب ناقابلِ عمل ہے۔ کمیشن نے یہ اضطراری حل پیش کیا کہ ملک کو تقسیم کر دیا جائے اور یہود اور عربوں کو علیحدہ علیحدہ حصے عطا کر دیئے جائیں۔

انتداب کا مقصد فلسطین کو آزادی کے لئے تیار کرنا تھا مگر برطانیہ نے فلسطین کو آزادی کے بجائے تقسیم کے لئے تیار کیا۔ یہ تقسیم کی پہلی تجویز تھی۔ فلسطین کی تقسیم! پنجاب کے بمشکل چار اور سندھ کے کوئی دو اضلاع کے برابر ملک کی تقسیم!!! اور تقسیم کیوں؟ اس لئے کہ یہود کے لئے عرب ملک میں قومی وطن قائم ہو سکے! ابتداءً قومی وطن سے ہوگی اور انتہا قومی حکومت پر۔ آخر ان حرکات مذبوحی سے حاصل؟ فلسطین کی مجموعی آبادی بیس لاکھ ہے اور اس کا رقبہ دس ہزار مربع میل۔ کوئی پانچ ہزار مربع میل کا علاقہ غیر ذی زرع صحرائی ہے۔ اگر یہ سارا علاقہ آبادی کے قابل ہو سکے۔ تو فلسطین کی آبادی دوگنی یعنی چالیس لاکھ ــــــ یا

اس سے کچھ کم یا کچھ زیادہ ہوجائے گی۔ یہ سارے کا سارا قطعہ زمین بھی یہودیوں کے لئے ناکافی ہے۔ دنیا بھر میں یہودی آبادی ایک کروڑ ساٹھ لاکھ ہے اتنا حجم غفیر یقیناً اس مختصر سے قطعہ اَرض میں نہیں سما سکتا۔ یعنی اگر سارے کا سارا فلسطین یوں یہودیوں کو دے دیا جائے کہ اس میں ایک عرب بھی باقی نہ رہے تو بھی یہودی اس میں نہیں سما سکتے۔ اور جب ایسا ہے کہ ان کی مشکل کا حل فلسطین نہیں ہوسکتا تو سارا زور صرف فلسطین پر صرف کرنے سے فائدہ؟ کیا یہودی ہمدردی کے بہانہ سے عربوں کو کچلا نہیں جارہا؟ اور پھر اگر بالفرض یہودی سما بھی جائیں تو برطانیہ اور امریکہ ایسا کرنے یا کرانے والے کون؟ انہیں کس آئین یا کس قانون نے یہ حق دیا ہے؟ اگر وہ ایسے ہی انسانیت نواز اور نبی نوع انسان کے ہمدرد ہیں تو ان کا ادعائے ہمدردی انسان اس وقت کس غار میں جا چھپا تھا جب مشرقی پنجاب، دہلی، مغربی، یوپی اور کمشیر کے بے کس اور نہتے مسلمانوں کو تہ تیغ کیا جارہا تھا؟ اس تاریخ میں فقید المثال قتلِ عام کی زد اتنے انسانوں پر پڑی جو مجموعی طور پر یہودیوں کی دنیا بھر کی آبادی سے بھی زیادہ ہیں۔ امریکہ اور برطانیہ نے نہایت تحمل اور خاموشی سے یہ ہمہ گیر ہلاکت، و بربادی کا تماشہ دیکھا۔ خود اقوامِ متحدہ خامو رہی' اور ہے۔ کم وبیش ساٹھ لاکھ مہاجرین فلاکت زدہ، لٹے لٹائے پاکستان پہنچے۔ کسی کو یہ قیامت دیکھ کر خیال نہ آیا کہ ان مہاجرین کو اپنے ہاں جگہ دے دیں یا دنیا کے کسی اور گوشہ میں ہی آباد کرادیں۔ مسئلہ کی نوعیت دونوں حالتوں میں ایک ہے۔ بلکہ مسلمانوں کا مسئلہ یہودیوں کی نسبت زیادہ وسیع اور اہم ہے۔

جہادِ حریت:

انگریز نے ان سب امور کو بالائے طاق رکھا اور یہودی محبت کے جنون میں اپنے مصالح ومفاد کو بھی بھول گیا۔ رائل کمیشن نے جب پہلی مرتبہ تقسیم کا حل پیش کیا تو برطانیہ کے عزائم کا عربوں کو اندازہ ہوگیا۔ جنگ کے دوران کے دلفریب الفاظ، جمعیۃ اقوام کے بلند بانگ کاغذی اصول، انتداب کا ادعائے آزادی، سب منافقت پر مبنی تھے۔ حقیقت کچھ اور تھی۔ فلسطین میں ہمہ گیر مظاہرے شروع ہوگئے۔ اب کے یہ مظاہرے ان علاقوں میں خصوصیت سے زیادہ تھے جن کے متعلق تجویز تھی کہ انہیں یہودی علاقہ میں تبدیل کردیا جائے۔ 1936ء سے 1939ء تک یعنی آغازِ جنگ عالم گیر ثانی تک فلسطین جنگ سے دوچار رہا۔ ایک طرف مخلص اور مفلس عرب تھا۔ جس نے اپنا سب کچھ انگریز کی خاطر قربان کیا۔ اس فریب میں کہ وہ آزادی حاصل کرسکے گا۔ دوسری طرف انگریز تھا جس نے غلاموں کی آزادی خواہی کو عظیم الشان فریب دے کر انہیں مفت میں خرید لیا تھا۔ سابقہ دوست کا ہاتھ پرانے دوست سے حقِ دوستی کا تقاضا کررہا تھا۔ اور پرانا دوست، سنگین، توپ، ہوائی جہاز سے اس کے جان ومال سے کھیل رہا تھا۔ اس جہادِ حریت کے قائد مفتی اعظم حسینی تھے۔

ڈاکٹر ماڈرائڈن نے اپنی کتاب The Problem of Palestine میں اس جہاد کا مختصر سا نقشہ بیان کیا ہے وہ لکھتی ہے:

(انگریز کی طرف سے) تشدد کا جواب تشدد سے دیا جارہا ہے۔ عرب دیہات پر حملے کئے جاتے ہیں اور

حکومت کی فوج انہیں برباد کر دیتی ہے۔تعزیری کارروائیاں جاری ہیں۔ان میں ہوائی بمباری، گھروں کو بارود سے اڑا دینا، دیہات کی تباہی، مال و دولت کی بربادی، سب شامل ہیں۔ ملک میں حرکت محدود (اور دشوار) ہوگئی ہے اور کرفیو کا راج ہے۔مشتبہ افراد کو قیدیوں کے کیمپوں میں بھیج دیا جاتا ہے اور بغیر مقدمہ چلائے محبوس رکھا جاتا ہے۔ دوسروں کو جزائر سیچل میں بغیر مقدمہ چلائے بھیج دیا جاتا ہے۔کئی جیلوں میں سڑ رہے ہیں اور کئی موت کے گھاٹ اتارے جا چکے ہیں۔

یہ لرزہ خیز داستان ہے، ان کے لئے ناقابلِ برداشت جو برطانیہ، اس کے مدبرین اور اس کے سپاہیوں کے نام کو عزیز سمجھتے ہیں۔ میں اس پر اس سے زیادہ رائے زنی نہیں کروں گی کہ آئرلینڈ کے زمانہ Black اور Tans کے بدترین کوائف کو اس ملک میں دہرایا جا رہا ہے جسے بس عیسائی یہودی اور مسلمان مقدس سمجھتے ہیں جن لوگوں نے اس فلسطین کو دیکھا ہے جس کا میں ذکر کر رہی ہوں، ان کے لئے سرکاری تردیدی بیانات کچھ وقعت نہیں رکھتے۔ انتہائی تشدد بیکار ثابت ہوا ہے اور اس سے منافرت اور بڑھی ہے۔ بارہا عرب مردوں اور عورتوں نے مجھ سے کہا ہے: اگر برطانوی فوج چوبیس گھنٹے چھٹی لے لے تو فلسطین میں ایک بھی یہودی زندہ نہ رہے۔ یہ باتیں وہ لوگ کرتے ہیں جو طبعاً نرم ہیں اور جو اسی سانس میں یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر یہودیوں کا مزید داخلہ بند کر دیا جائے تو کل امن ہو سکتا ہے۔

عربوں کے جوش و شیفتگی کا یہ عالم تھا کہ:

ایک صاحب نے، جن کا رنجدہ فریضہ یہ تھا کہ وہ ان قیدیوں سے ملیں جنہیں تشدد کے جرم میں موت کی سزا ملی ہے، مجھ سے بیان کیا کہ انہوں نے ایک ''مجرم'' کو دیکھا کہ وہ دوزانو ہو کر اللہ کا ہزار ہزار شکر ادا کر رہا تھا کہ اس نے اسے ملک اور مذہب کی خاطر جان دینے کی عزت عطا کی۔ ایک عرب (عیسائی) عورت نے مجھے بتایا کہ ایسے بیٹے کی ماں سے جب اس نے اظہارِ تعزیت کیا تو اس ماں نے اس ہمدردی کو فخر و غرور سے رد کر دیا۔ ایک ماں جس کا بیٹا اللہ نے یوں منتخب کیا ہو، قابلِ رحم نہیں، قابلِ عزت ہے۔ (ایضاً)

برطانیہ اپنی طاقت کے زعم میں اپنی جور و استبداد پر قائم رہا۔ بمبار ہوائی جہازوں کے سنایہ میں 1938ء میں اس نے وڈ ہیڈ کمیشن Wood Head Commision بدیں مقصد فلسطین بھیجا کہ وہ تقسیم کے عملی پہلو سے متعلق رپورٹ پیش کرے۔ کمیشن کی علتِ تشکیل تقسیم پر رائے زنی نہیں تھی بلکہ تقسیم کی جزئیات طے کرنا تھی۔ کمیشن کی رپورٹ معلومات سے پُر ہے۔ اس نے سابقہ تجویز سے کہیں کہیں اختلاف کیا اور نئی تحدید پیش کی۔ رپورٹ کے ایک ایک صفحہ سے یہ حقیقت عیاں ہوتی ہے۔ یہ خاموش اعتراف نمایاں ہے کہ تقسیم ناقابلِ عمل ہے۔ چنانچہ کمیشن نے مجوزہ اجزائے فلسطین کی تحدید کے لئے فوجی قوت کی ضرورت پر زور دیا۔ گویا کمیشن نے یہ تسلیم کر لیا اور حکومت برطانیہ کو بتا دیا کہ تقسیم کے لئے تلوار ناگزیر ہے۔

برطانیہ کی پالیسی میں تبدیلی:

1939ء میں برطانوی حکومت نے عرب اور یہودی زعماء کو مذاکرات کے لئے لندن بلایا۔ برطانیہ کا اعتماد عربوں کے دلوں سے اُٹھ چکا تھا۔ 1914ء سے 1939ء تک کے پچیس سالوں کے انگریزی، عربی تعلقات افسوسناک داستان کے حامل ہیں۔ اتنی بدعہدیوں اور جوروتعدی کے بعد عرب انگلستان کے خلوصِ نیت کے کیسے قائل ہو سکتے تھے؟ انہوں نے پوری جرأت سے کام لیا اور استقامت سے اپنے مطالبات پر اڑے رہے۔ ان کے جذبات کی گہرائی کا اندازہ یہاں سے لگ سکتا ہے کہ انہوں نے یہودیوں کے ساتھ ایک میز کے آس پاس بیٹھ کر مصروفِ گفتگو ہونے سے انکار کر دیا۔ برطانیہ نے مجبوراً جانبین سے علیحدہ علیحدہ گفتگو کی۔ لیکن کوئی مصالحت کی صورت نہ بن سکی۔ برطانیہ نے بالآخر 1939ء کا مشہور قرطاسِ ابیض شائع کیا جس میں ان کا اپنا حل پیش کیا گیا تھا۔

اس قرطاس کی رُو سے یہودیوں کی آمد پر سے مزید پانچ سال تک کے لئے پابندی ہٹا دی گئی اس شرط کے ساتھ کہ وہ زیادہ سے زیادہ پندرہ ہزار سالانہ کی رفتار سے آسکیں گے۔ یعنی وہ کل پچھتر ہزار کی تعداد میں آئیں گے۔ پانچ سال کے بعد مزید آمد عربوں کی رضامندی پر منحصر ہوگی۔ ہائی کمشنر کو یہ بھی ہدایات دی گئیں کہ وہ ایسے قوانین بنائے جن سے یہودی، عربوں کی مملوکہ زرعی زمین آسانی سے نہ خرید سکیں۔ بعض مخصوص علاقوں میں یہ خرید وفروخت حکومت فلسطین کی اجازت سے ہو سکے گی۔ دس سال کے بعد یعنی 1949ء میں فلسطین آزاد ہو جائے گا۔

قرطاس کا مطلب صاف ہے۔ یعنی یہودیوں کی تعداد میں مزید پچھتر ہزار کا اضافہ ہوگا۔ فلسطین دس سال کے بعد آزاد عرب حکومت بن جائے گا۔ یہودی اقلیت میں رہیں گے اور عرب حکومت کے شہری بن کر۔ قرطاس ابیض نے تقسیم کو دفن کر دیا اور عربوں کے مطالبات کی صداقت اور بے پناہی کے سامنے برطانیہ کی قوت وشوکت نے ایک حد تک سپر ڈال دی۔ عربوں اور یہودیوں نے اس فیصلہ کو تسلیم نہ کیا۔ اور اسی حال میں دوسری عالمگیر جنگ شروع ہوگئی۔ برطانیہ نے اپنی طرف سے زمینوں کی خرید وفروخت اور یہودیوں کے داخلہ سے متعلق ''پابندیوں'' پر عمل درآمد شروع کر دیا۔

1945ء میں جنگ کے خاتمہ پر یورپی یہودیوں کی آمد کا دباؤ کافی بڑھ چکا تھا۔ صیہونیت فلسطین پر چھا جانے پر مصر تھی۔ قرطاسِ ابیض کی رُو سے فلسطین کے دروازے بند ہو چکے تھے اور وہ عربوں کی رضامندی ہی سے کھل سکتے تھے ادھر عرب جو پہلے بکھرے بکھرے تھے نہ محض فلسطین کے مسئلہ پر ہی بلکہ دیگر مشترک امنور پر بھی متحدہ متفق ہو گئے۔ یہ اتحاد و اتفاق 22 مارچ 1945ء کو عرب لیگ کی باقاعدہ تشکیل میں ظاہر ہوا۔ عرب لیگ کی تشکیل کے بعد فلسطین کا معاملہ مقامی نہیں رہا بلکہ جملہ عالم عرب کا مشترکہ مسئلہ بن گیا۔ یہ مسئلہ یوں بھی فلسطین کے مقامی باشندوں کا کب تھا۔ فلسطین عربوں کا ہی نہیں مسلمانانِ عالم کا ہے اور تمام عالم اسلامی اس پر متفق ہے۔

انگلستان میں جنگ کے بعد، حزب عمال برسرِ اقتدار آئی۔ 1945ء کے انتخاباتِ عامہ سے جو نئی پارلیمان مرتب ہوئی

اس میں سولہ یہودی ارکان تھے۔ خود عمال حکومت میں ایک وزیر اور دو نائب معتمد یہودی تھے۔ یہودیوں کو اپنے اس اثر و اقتدار کے باعث یقین تھا کہ وہ فلسطین کا فیصلہ حسبِ منشاء کرا سکیں گے۔ لیکن جب وزیر خارجہ برطانیہ نے معاملہ کو اپنے ہاتھ میں لے کر چکانا چاہا، تو اسے یقین ہو گیا کہ یہ قضیہ اتنا آسان نہیں جتنا یہودی شرکائے اقتدار بتا رہے تھے۔ ایک طرف یہودی دباؤ تھا اور دوسری طرف ممالکِ عربیہ کی لیگ کی متفقہ مخالفت۔ قبل اس کے کہ برطانیہ کوئی اقدام کرتا، خبر مشہور ہو گئی کہ ٹرومین صدر امریکہ برطانیہ سے اپیل کرنا چاہتا ہے کہ کم از کم اور ایک لاکھ یہودی فلسطین میں فی الفور لے لئے جائیں۔ 1939ء سے 1944ء تک پچھتر ہزار یہودی تو ''جائز'' طریقے سے آ گئے تھے، لیکن ان کی ناجائز آمد کبھی مکمل طور پر بند نہیں ہوئی تھی۔ اس پر مستزاد ایک لاکھ اور تھے جنہیں صدر امریکہ خواہی نخواہی فلسطین پر ٹھونسنا چاہتا تھا۔ اس کی وجہ 1948ء میں ہونے والا صدارتی انتخاب تھا۔ امریکہ کے پریس اور حکومتی اداروں میں یہود کا بے پناہ اثر و رسوخ تھا۔ انتخابات کے موقع پر مخالف فریق یہودیوں کے ووٹ حاصل کرنے کے لئے طرح طرح کی خوشامدیں کرتے ہیں۔ بقول شخصے، اس موقع پر امریکہ پاگل ہو جاتا ہے۔ ٹرومین کو ڈر تھا کہ اس نے یہ اپیل نہ کی تو اس کی حریف رہی پبلکن پارٹی ایسا کر دے گی۔ اس صورت میں یہودی ووٹ ٹرومین کے ہاتھ سے نکل جائیں گے۔ محض اپنی انتخابی جیت کے لیے امریکہ کی دونوں پارٹیاں فلسطین کو جہنم میں جھونک دینے پر تیار تھیں۔

ٹروین کی اپیل کے جواب میں برطانیہ نے امریکہ کو دعوت دی کہ اگر وہ یہودیوں کو فلسطین میں آباد کرانا چاہتا ہے تو نتائج کی ذمہ داری لے اور یورپ میں یہودیوں کی حالت نیز فلسطین کی صورتِ حال کی پوری تحقیقات کرے۔ ٹرومین نے جھجکتے ہوئے یہ دعوت قبول کر لی۔ اس پر ایک مشترکہ انگلستانی، امریکی کمیشن مرتب ہوا جسے ہدایت دی گئی کہ وہ چار مہینوں کے اندر اندر رپورٹ پیش کر دے۔ کمیشن کی متفقہ سفارشات ظاہر ہے کہ نہ عربوں کو مطمئن کر سکتی تھیں نہ یہودیوں کو لیکن رپورٹ عربی مطالبات کی بے پناہی کا مزید اعتراف تھا۔ بہرحال کمیشن نے ٹرومین کا مطالبہ من وعن تسلیم کر لیا کہ ایک لاکھ یہودی فوراً فلسطین میں داخل ہو جائیں۔ اس کے ساتھ ہی برطانیہ، امریکہ اور دیگر حکومتوں سے درخواست کی گئی کہ وہ بے وطن یہودیوں کے لئے یورپ میں کسی جگہ نئے گھر کی تلاش کریں اور اس ضمن میں فوری اقدام کریں۔ کمیشن نے نہ تو فلسطین کی آزادی کی سفارش کی، نہ عرب حکومت کی، نہ یہودی حکومت کی۔ بلکہ ایسی دوقومی حکومت کا مشورہ دیا جس میں عرب اور یہودی مساوی حقوقِ شہریت کے مالک ہوں۔ مزید رائے یہ تھی کہ فلسطین کو غیر معین عرصہ کے لیے انتداب سے نکال کر تویست میں رکھ دینا چاہئے۔ زمینوں کی موجود پابندیوں کی تنسیخ کی رائے دیتے ہوئے کمیشن نے ایسی تجاویز پیش کیں جن سے عرب کسانوں وغیرہ کے اس ضمن میں حقوق کی نگہداست مقصود تھی۔ آخری سفارش یہ تھی کہ جانبین کے تشدد کو سختی سے دبا دیا جائے۔

ایک دفعہ پھر ''ثابت'' کر دینے کے علاوہ کہ تقسیمِ فلسطین ناقابلِ عمل اور ناممکن ہے، معاملہ آگے نہ بڑھایا جا سکا۔ (جاری ہے)

Surah Al-Najm (النجم)
Durus-al-Qur'an: Chapter 2

By G. A. Parwez
(Translated by: Mansoor Alam)

From only this point of view I am saying their Prophet and our Prophet. Otherwise, to me all the Prophets (PBUH) all equally respectable. Anyway, it is clear that all these narrations are against the Quran and therefore fake; and have been the result of conspiracy by Jews. These narrations cannot be from the Prophet (PBUH). Christians did similar things: that Jesus (PBUH) was born without father; that he is alive in the heavens – so he is superior to Muslims' Prophet (PBUH) who was born like a common man and died like a common man. And here we are who accept all these fake narrations because these have been narrated in our hadith books. These things about Moses (PBUH) and Jesus (PBUH) are not only there in our narrations but have become our ideology and faith, which if and anyone rejects, is given fatwa that he has gone outside the fold of Islam. What deep conspiracies have been hatched with us my friends? May Allah protect us!

Hadith taught in our Islamic schools

My dear friends, not a single word of the Quran can be changed. Allah, the Almighty, Himself has taken the responsibility of protecting it. All the books of hadith were compiled more than two hundred years after the Prophet (PBUH) based on oral narrations from chain of narrators. There was no master copy and no printing machines those days. No one knows how these narrations came in these books. Anyway, for more than thousand years, these books which have all these narrations, are taught in Islamic schools. The ideology about these hadith books is that these books coexist with the Quran and are like the Quran; that anyone who rejects even a single hadith of Bukhari or Muslim exits from the fold of Islam. The belief is that just like the Quran these hadith books are based on revelation from Allah; that there are two kinds of revelations – one that is recited which is in the Quran and the other that is not recited and is

in the hadith books; that if there is a contradiction between hadith and the Quran about a certain verse then the interpretation should be stretched somehow to fit the hadith with the Quran; and if that is not possible then that Quranic verse is considered abrogated. According to this traditional creed we can see what position the Kaaba and Prophet (PBUH) have compared with Bani-Israel's center of Bait-al Muqaddas (بیت المقدس) in Jerusalem and Moses (PBUH).

Our fabricated hadith has complicated the legal status of Bait-al Muqaddas

The issue regarding Bait-al Muqaddas that who should be its custodian; or who should control it; or even who should own it – is a current political issue. If Jerusalem issue remained as it was during the Prophet's time when there was nothing there except rubbles because the Byzantines had demolished Solomon temple and destroyed the city – and if a mosque was built there, it was built on empty place – then Jewish claim is without any proof. If we accept the Jewish claim that there was Solomon temple and Muslims demolished to build their mosque in its place, then a court will decide in Jewish favor. Our hadith books say that there was Solomon temple where Prophet (PBUH) led prayer and now if a mosque is there in its place then Solomon temple must have been demolished to build the mosque, no matter it may have been built in 72 Hijrah by Abdul Malik during Umayyad rule. Thus these narrations provided the proof for the Jewish claim that there was Solomon temple and Muslims built their Mosque there.

Mr. Maududi's contradictory remarks in September 1969

My dear friends, let me repeat what I presented in the last lecture about contradicting statements of Mr. Maududi. He wrote in September 1969 that there was no Solomon temple in Jerusalem at the advent of Islam. This was correct. Therefore, Israeli claim does not stand any ground that Muslims demolished our temple and built their mosque there. But after some days in the same month and year he wrote that Bait-al Muqaddas in Jerusalem is the first Qiblah because the Prophet (PBUH) and his companions used to pray towards it; that being the first Qiblah this place of worship is always sacred to Muslims; that as long as our Prophet (PBUH) was in Makkah he prayed in such a way that Masjid al-Haram and Masjid Al-Aqsa were line up in the same direction. But this was not

possible in Medina because both this Masjids were in opposite direction. So, he acknowledges that Masjid Aqsa was there at the time of the Prophet (PBUH) and this is reported in all the hadith books; and if you do not believe it then you are purged from Islam. So, we are providing proof for Israel's claim because it is all there in our hadith books. Now, it is worth pondering how these narrations got into our hadith books. There is nothing in the Quran about making Bait-al Muqaddas as first Qiblah. So, the question of changing Qiblah does not arise. Therefore, Kaaba was the Qiblah from the beginning. The Quran told the Prophet (PBUH): إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَ هُدًى لِّلْعَالَمِينَ (3:96) – The first House ever built for the entire humankind was Makkah. It was from this place that humanity was destined to get the guidance and the Divine Laws which would ensure stability and nourishment for all.

So, my dear friends, in light of the above, you can very well imagine what the true facts are, of what the narrations in different hadith books say about the first part of Mi'raj!

Second part of Mi'raj – meeting with Allah

Now, take the second phase of the journey. The Prophet (PBUH) went to meet Allah who was sitting on His throne above the seventh heaven. What kind of picture you get my friends from this – Allah, the Almighty, the Creator of heavens and earth, was sitting on a fixed throne to meet the Prophet (PBUH) at a certain time! This brings forth the concept of "space and time." But we know that space and time are related to only material things. This is taught to children in school. The Quran has mentioned again and again that Allah is beyond space and time. It is says: هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ۖ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ (57:3) – He is above and beyond time and space. He was the first; and He would be the last. For Him there is no beginning and there is no end. He overpowers everything but His power is invisible and works unperceptively. Law is always invisible and non-physical. However, its results can be perceived; and it may be said that His attributes of creation and Sustenance are the visible manifestations of His Being. His being is invisible to the human eyes. In this way one can say that He is Transcendent and Imminent. He has the knowledge of everything.

Every material thing comes into existence at some point in time and ends at some point in time. If it is present at some place it cannot be present at

another place at the same time. Wherever it is, it occupies space. Think about it my friends: that Allah being physically situated in space and time and the Prophet (PBUH) has to physically go there to meet Him? When these facts are brought out in front of those who perpetuate the Mi'raj story, their kneejerk response is that Allah has all the power to do anything. But this is not the question of power. It is the question of what kind of concept emerges of Allah from this story. This is completely against the concept of Allah as presented by the Quran. The Quran says: وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ (2:186) – O Messenger! When My devotees ask you about Me, tell them that I am close to them at all times. So much close that: وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ (50:16) – We are closer to him than his jugular vein. And: وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنتُمْ (57:4) – He is with you wherever you may be. Consequently, Allah was with the Prophet (PBUH) all the time. So, Allah being situated in a particular place is completely a wrong concept of Allah. As Iqbal says:

O Preacher! You have made God sit on a physical throne!
What kind of God is He who is alienated from His devotees?

He is so far away from his servants, that He used special means to carry the Prophet (PBUH) to meet Him. But other human beings cannot! Therefore, how can the life of the Prophet (BUH) serve as a role model for humans if that is the case?

Leave aside others, even such a great Prophet as Musa (PBUH) who wanted to see God was told: لَّا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ (6:103) – No human vision can encompass Him. Human vision can see only material things. But God is beyond material attributes.

Crooked arguments to justify going to heavens to meet Allah

My dear friends, all kinds of crooked arguments are presented to justify the story of Mi'raj beyond the familiar rhetoric that "Allah has power to do anything." When airplanes started flying then the proponents of status quo started saying: look if ordinary human beings can fly into the sky, then God, the possessor of infinite might, can't He make the Prophet (PBUH) reach the heaven using ladder. When astronauts travelled to the moon then these traditionalists started saying that if these astronauts can go to the moon then how come our Prophet (PBUH), with God's permission, cannot travel to the highest heaven. Allah has all the power

to do anything. Well, my friends, it is not the question of power but a question of what concept of God emerges from such stories. The concept that the Quran has given of God, such a concept cannot be found anywhere else.

My dear friends, Quran's concept of God is beyond any material attributes; it is beyond human thought and imagination. If you look at all the religions of the world there is something material involved in God's concept – either in the form of idols; or in the form of avatars; or as son of God; or God carrying a sword, surrounded by angels, descending from lightning clouds to earth, etc. Everywhere else you will find God in of some form of physical form. The Quran's concept of God is the only concept that is beyond any physical form; it is beyond human vision and thought. According to the Quran, He is everywhere wherever you may be; He is closer to you than your jugular vein; He is beyond human comprehension. There exists no physical attribute whatsoever associated with Him; He cannot be confined into space and time. The cooked argument that Allah can do anything because He has all the power is nothing more than whitewash and an escape mechanism from facing the realities of the Quran.

My dear friends, I felt it necessary to provide you the necessary backdrop before starting Surah Al-Najm, because this Surah along with the first verse of Surah 17 is presented in regards to the traditional view of what is labeled "Isra-wal-Mi'raj" – that the Prophet (PBUH) went from the Masjid in Makkah to the Masjid Aqsa in Jerusalem on Buraq; and from there to meet Allah to the seventh heaven who was sitting on His throne there. The Prophet (PBUH) received وحی (Wa'hi -Revelation) from Allah for 23 years; He was sending instructions and commands to the Prophet (PBUH) to establish His Deen. There is nothing in Surah Al-Najm about Prophet (PBUH) going anywhere, let alone going to Masjid Aqsa or visiting the heavens to meet Allah. When the Prophet (PBUH) was in constant touch with Allah then why would Allah ask him to come to the heavens to receive the gift of 50 prayers and to receive the last two verses of Surah Baqarah? The entire Quran was revealed to the Prophet (PBUH) by Allah. Why would Allah specially ask him to come to the heaven to receive the last two verses of Surah Baqarah?

8- مذہب کشمکش حیات سے فرار سکھاتا ہے۔	دین زندگی کے حقائق کا مردانہ وار مقابلہ کرتا ہے۔
9- مذہب تقدیر کے بہانے انسان کو بے عمل بنا دیتا ہے۔	دین، اسے تقدیر شکن قوت عطا کر کے، حرکت و عمل کا شعلۂ جوالہ بنا دیتا ہے۔
10- مذہب خاک کے آغوش میں تسبیح و مناجات کا نام عبادت رکھ کر انسانوں کو خود فریبی میں مبتلا رکھتا ہے۔	دین، اسے وسعتِ افلاک میں تکبیر مسلسل کا پیغام دیتا اور نظامِ خداوندی کو دنیا کے ہر نظامِ باطل پر غالب کرنے کو عبادت کی غایت بتاتا ہے۔
11- مذہب، کائنات کی ہر حسین شے پر منہ بسورنا اور نعمائے خداوندی سے اجتناب سکھاتا ہے۔	دین اعلان کرتا ہے کہ وہ کون ہے جو زیب و زینت کی ان چیزوں کو حرام قرار دے سکتا ہے، جنہیں اللہ نے اپنے بندوں کے لئے پیدا کیا ہے (القرآن)۔
12- مذہب ہر جدت (نئی چیز) کو گناہ قرار دینے تک لے جاتا ہے۔	دین کہتا ہے کہ کل یوم ھو فی شان۔ زندگی کے تقاضے ہر دور میں بدلتے رہتے ہیں اس لئے جدت طرازی عین تقاضائے حیات ہے۔
13- مذہب اپنے پیغام کے حق کی دلیل میں اسے اسلاف کا مسلک قرار دے کر بطور سند پیش کرتا ہے۔ ان کی طرف سے پیش کردہ عقائد پر ایمان بلاعلم و دلیل لانے پر زور دیا جاتا ہے۔	دین انسان کی علمی اور عقلی صلاحیتوں کو جلا دینے کا موجب اور اسلاف کے مسالک کی بلا دلیل پیروی سے منع کرتا ہے۔ وہ اپنے ہر دعویٰ کو دلیل اور برہان سے پیش کرتا ہے اور عقل و تدبر سے کام لینے کی تاکید بھی۔
14- مذہب کا تصور مفاد پرست انسانوں کے ذہن کا تراشیدہ ہے۔ ان میں سبھی ملوکیت (فرعون)، سرمایہ داری (قارون) اور مذہبی پیشوائیت (ہامان) کے نمائندے باہمی اشتراک سے دوسروں کی محنت سے کمائی پر عیش کی زندگی بسر کرنے کے لئے ہر جائز و ناجائز حیلے تراش کر مذہب میں شامل کر لیتے ہیں۔ خود مترفین بن کر دوسروں کو محکوم بنا لیتے ہیں۔	دین مذہب کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے انسانوں کو آزادی کی دعوت دیتا ہے کہ کسی انسان کو اس کا حق حاصل نہیں کہ وہ دوسرے انسان کو اپنا محکوم اور اطاعت گذار بنائے۔ اطاعت صرف خدا (اس کے قوانین) کی کی جا سکتی ہے اور یہ قانون سب کے لئے برابر ہونے کی وجہ سے تمام نوعِ انسانی کے لئے مساوات کا پیغام رکھتا ہے۔
15- مذہب اس راستے کو کہتے ہیں جو انسانوں کا وضع کردہ ہو۔	دین اس قانون یا نظام کو کہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملا ہو۔

اس لئے یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ قرآن نے نوعِ انسانی کی ہدایت کے لئے دین ہی کو پیش کیا ہے اور اسے ہی اسلام کا نام دیا ہے۔ لہٰذا مسلم مذہب کی نہیں دینِ اسلام کی اطاعت کرتا ہے۔

☆☆☆

(اشاعت کے لئے محترم ڈاکٹر انعام الحق نے تعاون کیا ہے۔)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

PUBLISHED SINCE 1938 AT THE BEHEST OF ALLAMA IQBAL[R] AND QUAID-E-AZAM[R]

CPL.NO. 28
VOL.77
ISSUE
4

Monthly

TOLU-E-ISLAM

25-B, Gulberg 2, Lahore, Pakistan
Phone. 042-35714546, 042-35753666
E-mail:idarati@gmail.com Web: www.toluislam.org
www.facebook.com/idaratolueislam1/ www.youtube.com/idaratolueislam

پر پیشگی ہدیہ تبریک قبول فرمایئے

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ ۙ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۝ قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ؕ هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ۝ (10:58-57)

اے نوعِ انسانی! تمہارے پاس تمہارے نشوونما دینے والے کی طرف سے ایک ضابطۂ حیات آ گیا ہے جو ہر اس کشمکش کا علاج ہے جو تمہارے سینوں کو وقفِ اضطراب رکھتی ہے۔ جو قوم اس کی صداقتوں پر یقین رکھتی ہے یہ اس کی راہنمائی زندگی کی منزلِ مقصود کی طرف کرتا ہے اور اسے سامانِ نشوونما سے بہرہ یاب کر دیتا ہے۔

کہو کہ یہ خدا کے فضل و رحمت سے عطا ہوا ہے۔ لہٰذا تمہیں چاہئے کہ ایسے ضابطۂ حیات کے ملنے پر جشنِ مسرت مناؤ۔ یہ اس تمام ساز و سامان سے بہتر ہے جسے تم جمع کرتے ہو۔